133
سرپھٹے
اشتیاق احمد

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔
محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۳۳۱۳۷
اشتیاق احمد

خوب
اور خوبصورت کتابیں

ناشر : اشتیاق احمد

تزئین : محمد سعید نامدار

سرکولیشن : محمد یار مینجر

کمپوز کمپوزر : محمد عقیل عمر

قیمت : [illegible] روپے

لالہ عبدالرشید پرنٹرز سے چھپوا کر انداز بک ڈپو لاہور سے شائع کیا۔

انداز بک ڈپو 3 ظہیر مارکیٹ، جوائے شاہ روڈ سانڈہ وکلاں لاہور
فون 7112969 - 7246356

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رسالت اور نبوت منقطع ہو گئی اور میرے بعد نہ کوئی نبی آ سکتا ہے نہ رسول، لیکن مبشرات باقی رہ گئے ہیں — صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، مبشرات سے کیا مراد ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کے خواب جو کہ نبوت کے اجزا میں سے ایک جزو ہیں —

(فتح الباری ص ۲۲۲ جلد ۱۲)

یعنی :

نبوت اور رسالت کا سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا — اب کسی بھی قسم کا کوئی نبی نہیں آ سکتا — خوابوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی رہنمائی ضرور فرماتے ہیں —

حضرت عمرؓ بن خطاب کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ میں نے اپنے پروردگار سے اپنی وفات کے بعد اپنے صحابہ کے درمیان اختلاف کی بابت دریافت کیا (یعنی یہ دریافت فرمایا کہ ان کے درمیان جو اختلاف پیدا ہوگا، اس میں کیا مصلحت ہے) اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کے ذریعے آگاہ کیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تیرے اصحاب میرے نزدیک ایسے ہیں جیسے آسمان پر ستارے، بعض ان میں قوی ہیں، (یعنی ان میں روشنی زیادہ ہے)، لیکن بہرحال سب روشن ہیں، پس جس شخص نے ان کے اختلاف میں سے کچھ لیا، میرے نزدیک وُہ ہدایت پر ہے (یعنی اختلاف کی صورت میں جس کا بھی ساتھ دیا) وُہ ہدایت پر ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے تم جس کی اقتدا کرو گے، ہدایت پا جاؤ گے۔

(مشکوٰۃ شریف)

دو باتیں

السلام علیکم!

ایک بار پھر آپ ایک پرانا خاص نمبر پڑھ رہے ہیں۔ اچھا بھی ہے۔ امتحان سے فارغ ہونے کے بعد فرصت کے دن ہوتے ہیں اور آپ کو پرانی کتابوں کی تلاش ہوتی ہے۔ یا ایسی کتابوں کی، جو آپ نے اب تک نہ پڑھی ہوں یا کسی طرح پڑھنے سے رہ گئی ہوں۔ شاید یہ ناول بھی ایسا ہی ہو۔ پہلے یہ ناول سر پھرے اور کالا کنواں کے نام سے دو حصوں میں شائع ہوا تھا۔ میں تو صرف یہ کہوں گا کہ اس ناول کو پڑھنے کے دوران آپ کو لطف بہت آئے گا اور فرصت کے ان دنوں کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔ چھٹیوں میں آپ کو اور بھی پرانی چیزیں ملنے والی ہیں۔ خریدنے کی تیاری ابھی سے کر لیں۔

جو ان — ہر ماہ تین چار پرانے ناول جب آپ کو ملیں گے تو شاید آپ پھولے نہیں سمائیں گے — اور میں یہی چاہتا ہوں کہ آپ پھولے نہ سمائیں —

فقط:

اشتیاق

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں —
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا —
- کل آپ کا کوئی ٹیسٹ یا امتحان تو نہیں —
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا —
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں، پہلے نماز اور ان سب کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں — شکریہ!

مخلص:

اشتیاق احمد

ترتیب

پہلا حصّہ

دوسرا حصّہ

ٹھہرو

گھنٹی کی آواز نے انہیں چونکا دیا، انداز پروفیسر داؤد کا تھا:

"بھئی واہ! آج تو پروفیسر انکل آ گئے — خوب مزا رہے گا۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"اور اگر کہیں انکل خان رحمان بھی آ جائیں تو اس مزے کو چار چاند لگ جائیں گے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"تمہارا کیا ہے — چاہے کسی چیز کی کڑواہٹ کو بھی چار چاند لگا دو۔" محمود نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"لیکن وہ چار چاند بھی کڑوے ہوں گے۔" فاروق بھلا کب چپ رہنے والا تھا۔

"توبہ ہے تم سے — دروازہ کھولنے گئے نہیں اور چار چاند کے پیچھے پڑ گئے۔" باورچی خانے میں سے بیگم جمشید کی آواز سنائی دی۔ وہ اندر چائے تیار کر رہی تھیں، جب کہ ابھی انسپکٹر جمشید گھر نہیں پہنچے تھے — یوں ان کے آنے کا وقت ہو گیا تھا —

"اوہ ہاں واقعی — یہ غلطی محمود کی ہے۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"ہاں! تمہارے لیے تو جیسے دروازہ کھولنا گناہ ہے۔" محمود نے جل بھن کر کہا اور دروازے کی طرف لپکا — جوں ہی اس نے دروازہ کھولا، چلّا اُٹھا:

"چرچڑی اور دو دو، فرزانہ تمہاری دُعا قبول ہو گئی۔"

"کیسی دُعا؟" خان رحمان کی آواز اُبھری — دروازے میں صرف پروفیسر داؤد ہی نہیں، وہ بھی کھڑے تھے۔

"پروفیسر انکل کی گھنٹی سُن کر فرزانہ نے کہا تھا، کیا ہی اچھا ہو، آپ بھی آجائیں۔"

"اور میں بھی آگیا، مگر بارات کا دُولہا کہاں ہے؟" خان رحمان نے صحن میں انسپکٹر جمشید کو نہ پا کر کہا۔

"جی — بس آنے ہی والے ہیں۔"

اُسی وقت جیپ رُکنے کی آواز سُنائی دی:

"لیجیے آ گئے۔" محمود چہکا۔

فوراً ہی انسپکٹر جمشید اندر داخل ہوئے اور پھر ٹھٹک گئے۔

"ہائیں! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟"

"جمشید — کچھ دیکھنے سے پہلے اور کچھ کہنے سے پہلے یہ سُن لو — اس مرتبہ محمود، فاروق اور فرزانہ نے کوئی سازش نہیں کی۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"جی کیا مطلب؟" انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

"میں ذرا اُداس تھا، چنانچہ خان رحمان کے گھر پہنچا — اپنی اُداسی کا ذکر کیا — تو انھوں نے یہاں آنے کا خیال پیش کیا، خیال زور دار تھا، چنانچہ ہم یہاں آ گئے۔"

"گویا آپ حضرات کہنا یہ چاہتے ہیں کہ آپ کی یہاں موجودگی میں ان تینوں کا ہاتھ بالکل نہیں ہے۔"

"بلکہ میرا بھی نہیں ہے۔" بیگم جمشید کی شوخ آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی اور وہ مسکرا دیے۔

"ہاں بیگم — اگر ان کا ہاتھ نہیں ہے تو پھر تمہارا تو سرے سے ہی ہو نہیں سکتا — خیر بہت خوشی کی بات ہے کہ آپ تشریف لائے۔" انھوں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"لیکن جمشید! ایک مشکل ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"یہ آپ کی آمد میں مشکل کہاں سے آ دھمکی؟" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"بات صرف یہ ہے کہ مجھے آج منور علی خان بہت یاد آ رہے ہیں۔"

"جی — کیا فرمایا — منور علی خان بہت یاد آ رہے ہیں — اچھا تو پھر؟"

"انھوں نے مجھ سے بھی یہی بات کہی تھی — اور میں نے

جواب دیا تھا، یہ کوئی عجیب بات تو ہے نہیں — دوست یاد آیا ہی کرتے ہیں۔"

"لیکن ان کی یاد نے مجھے بے چین کر دیا ہے۔"

"تو کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم ان سے ملنے کے لیے چلیں —"

"نہیں — وہ تو نہ جانے کہاں ہوں گے، کس جنگل کی خاک چھان رہے ہوں گے — ہم انہیں کہاں تلاش کرتے پھریں گے، میں نے تو ایک اور ہی ترکیب سوچی ہے۔"

"اور وہ کیا؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جمشید! میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ تم اس تجویز کو پسند نہیں کرو گے۔" خان رحمان جلدی سے بولے۔

"کس تجویز کو؟" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"میں بتاتا ہوں جمشید — میں نے شکار کا پروگرام بنایا ہے، منور علی خان کی یاد کے ساتھ انصاف کا بس یہی تقاضا ہے۔"

"شکار!" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں جمشید! ہم شکار کھیلنے چلیں گے، لیکن کہاں — یہ فیصلہ تم کرو گے۔"

"اوہ — شکار — کمال ہے — شکار کھیلنے کے بارے میں تو ہم نے آج تک سوچا بھی نہیں۔"

"لیکن اب معاملہ سوچنے کی حد سے آگے جا چکا ہے — ہم میدانِ عمل میں قدم رکھ چکے ہیں، سوچنے کا کام میں کر چکا ہوں اور میرا یہاں آنا، بلکہ خان رحمان کو بھی ساتھ لانا عملی کام ہے، مہربانی فرما کر تم لوگ بھی تیار ہو جاؤ۔"

"ہم شکار کھیلنے ضرور چلیں گے، لیکن سوال تو صرف یہ ہے کہ کہاں جائیں گے، کیوں کہ میرے تو فرشتوں کو بھی معلوم نہیں کہ شکار کے لائق جگہیں یہاں کس کس طرف اور کہاں کہاں ہیں — اوہ ہاں — یاد آیا — بلکہ وہ مارا۔" وہ پُر جوش انداز میں بولے۔

"لیجیے انکل — جگہ بھی طے ہو گئی۔" فاروق چہکا۔

"نہیں بھئی — اتنی جلدی بھی نہ کرو — اس سلسلے میں میرا ایک دوست مدد کر سکتا ہے — وہ شکاری قسم کا آدمی ہے۔"

"جی کیا کہا — شکاری قسم کا آدمی — گویا شکاری ہے نہیں۔"

"نہیں — اس کا کاروبار ذرا مختلف ہے — شکار کیے ہوئے جانوروں کی خرید و فروخت کرتا ہے، مطلب یہ کہ مختلف اداروں کو شکار شدہ جانور سپلائی کرتا ہے اور شکاری شکار کر کے اس کے پاس فروخت کر جاتے ہیں — اس کاروبار میں اس نے بہت کمایا ہے — آج کل تو لاکھوں میں کھیل رہا ہے — لہٰذا وہ ہمیں ضرور نیک مشورہ دے گا۔"

"مشورہ تو یہ بھی نیک ہی ہے۔" فاروق بولا۔

"تو یہ ہے، ابّا جان کے منع کرنے کے باوجود ٹر ٹر کیے جا رہے ہو۔" محمود نے انہیں گھورا۔

"آنکھوں ہی آنکھوں میں کھا نہ جانا۔" فرزانہ گھبرا کر بولی۔

اسی وقت سلسلہ مل گیا اور وہ بولے:

"ہیلو چاچا مارٹی — سناؤ کاروبار کیسا چل رہا ہے — ہوں — بہت خوب — بھئی صرف بات اتنی سی ہے کہ ہم کچھ لوگ شکار کے لیے جانا چاہتے ہیں، لیکن ہم نہیں جانتے کہ شکار کے قابل یہاں پاس یا قدرے فاصلے پر کون سی جگہ بہترین ہے — کیا اس سلسلے میں معلومات ہم پہنچا سکتے ہو — کیا کہا — کس قسم کا شکار — اوہ ہاں ٹھہرو — یہ بات تو مجھے اپنے دوستوں سے معلوم کرنا ہوگی۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید ان کی طرف مڑے:

"وہ پوچھ رہا ہے — شکار کس چیز کا کھیلنا ہے؟"

"کم از کم شیر کا تو ہونا چاہیے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"نہیں بھئی — ہم شیر کے شکاری نہیں — جمشید — ہم مرغابیوں یا ہرنوں کا شکار کھیلنا پسند کریں گے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"بالکل ٹھیک — دونوں ہی چیزیں بہت مزے دار ہوتی ہیں۔" خان رحمان نے چٹخارہ لیا۔

"اچھا — میں بات کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ پھر فون میں بولے:

"کون سا؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہی کہ وہ ہمیں نیک مشورہ دے سکیں گے۔"

انسپکٹر جمشید اسے گھور کر رہ گئے اور فون پر اپنے دوست کے نمبر ڈائل کرنے لگے:

"جب بات کرو گے، بے تکی کرو گے — ابا جان کا موڈ کتنا خوش گوار جا رہا تھا — خراب کر دیا نا۔" فرزانہ نے جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں تو ایسا نہیں سمجھتا — کہ ابا جان کا موڈ خراب ہو گیا ہو، کیونکہ ابا جان کا موڈ کوئی چھوئی موئی کا پھول تو ہے نہیں۔" فاروق نے برا مان کر کہا اور پھر ان کی طرف مڑ کر بولا:

"کیوں ابا جان — کیا آپ کا موڈ چھوئی موئی کا پھول ہے؟"

"ن — نہیں تو — یہ کیا لے بیٹھے تم۔" وہ بولے۔

"جی میں نہیں — فٹ — فرزانہ۔" فاروق بوکھلا اٹھا۔

"فرزانہ پہلے مجھے فون پر بات کرنے دو۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا اور فاروق مسکرانے لگا۔

"جی بہتر۔" فرزانہ نے کہا اور پھر دبی آواز میں بولی:

"سمجھ لوں گی تم سے۔"

"الجبرا سمجھانے کے لیے میں ہر وقت تیار ہوں۔" فاروق نے کہا۔

"ہیلو چانکیا ماڑی ــ ہم ہرن یا مرغابی کا شکار پسند کریں گے۔"

"اوہ ــ ان دونوں چیزوں کے لیے تو یہاں صرف ایک ہی جگہ ہے، لیکن وہ آج کل بہت خطرناک ہو گئی ہے۔" دوسری طرف سے چونکے ہوئے انداز میں کہا گیا۔

"خطرناک ہو گئی ہے ــ کیا مطلب؟" انھوں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہاں ــ اس جنگل سے کئی شکاریوں کی لاشیں مل چکی ہیں ــ جب کہ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا ــ چھ ماہ سے کسی شکاری نے کوئی ہرن یا مرغابی میرے پاس فروخت نہیں کی ــ اب تو شکاریوں نے ادھر کا رُخ کرنا بھی چھوڑ دیا ہے۔"

"جن شکاریوں کی لاشیں ملی ہیں ــ کیا وہ جنگلی درندوں کا شکار ہوئے تھے؟"

"نہیں ــ یہ اندازہ نہیں لگایا جا سکا کہ وہ کس طرح ہلاک ہوئے ــ یا پھر یہ باتیں پولیس والے جانیں ــ ہم تو ابھی تک کچھ معلوم نہیں کر سکے۔" اس نے جواب دیا۔

"بہت خوب ــ یہ تو اور بھی دلچسپ بات ہو گئی ــ مجھے اس جنگل کا پتا بتا دو دوست۔"

"لاشیں!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ایک منٹ ٹھہرو۔" انسپکٹر جمشید نے ان کی طرف ہاتھ کا

اشارہ کیا۔

"کیا کہا جمشید صاحب ــ ٹھہروں؟"

"نہیں ــ میں نے آپ سے نہیں، اپنے ساتھیوں سے کہا ہے، میرے منہ سے لاشیں کا لفظ سن کر وہ چونک اٹھے ہیں۔"

"اوہ ــ آپ محمود، فاروق اور فرزانہ کی بات کر رہے ہیں۔" چانکیا ہنسا۔

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"تو پھر سنیے ــ دارا لحکومت کے مشرق میں ایک سڑک نون پور کی طرف جاتی ہے ــ نون پور والی سڑک پر پچاس کلو میٹر طے کرنے کے بعد دائیں طرف ایک جنگل کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، یہ جنگل بہت گھنا ہے ــ اسی میں ہرن اور مرغابیاں ملتی ہیں ــ اس کے اندر ایک بڑی جھیل بھی ہے۔"

"بہت بہت شکریہ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو آپ لوگ وہاں جانے کا ارادہ کر چکے ہیں؟" چانکیا نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں بالکل ــ اب تو شوق اور بڑھ گیا ہے۔"

"لیکن میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔" چانکیا بولا۔

"کیوں ــ اس میں کیا حرج ہے؟"

"ابھی تک کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکا کہ شکاریوں کے ساتھ

کیا گزرتی ہے۔"

"پروا نہیں — ہم ان شاء اللہ اس راز سے بھی پردہ اُٹھائیں گے — تاکہ شکاری بھائیوں کا راستہ صاف ہو جائے۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

فون کا ریسیور رکھ کر وہ ان کی طرف مڑے۔

"اسے کہتے ہیں، سر منڈاتے ہی اولے پڑے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"لیکن اس مرتبہ تم یہ نہیں کہ سکو گے — آ بیل مجھے مار — کیونکہ ہم لوگ شکار پر جانے کا فیصلہ پہلے ہی کر چکے ہیں۔"

"مسٹر چانکیا نے کیا بتایا ہے ابا جان؟" محمود بے چین تھا۔

انھوں نے پوری گفتگو سنا دی —

"ارے باپ رے — مہم پر روانہ ہونے سے پہلے ہی زبردست قسم کا سسپنس شروع ہو گیا — اب کیا کریں؟" فرزانہ بولی۔

"کرنا کرانا کیا ہے — اب تو ہم جا کر رہیں گے — بلکہ اگر شکار کا پروگرام نہ ہوتا اور ہمیں اس قسم کی اطلاعات ملتیں تو بھی ہم جانے کا پروگرام بنا لیتے۔" محمود نے کہا۔

"لیکن جمشید — مجھے تو شکار کھٹائی میں پڑتا نظر آتا ہے، کیوں نہ ہم مرغابیوں اور ہرنوں کی بجائے تیتر اور بٹیر کے شکار کے لیے چلیں۔"

"لیکن پروفیسر صاحب — اب ہم اس جنگل میں جائے بغیر رہ کس طرح سکتے ہیں — یہ تو ہماری فطرت کے ہی خلاف ہے۔"

"ہوں — اچھا — جیسے تمھاری مرضی — میں تو شکار کھیلنا چاہتا ہوں۔"

"آپ فکر نہ کریں — میں اسی وقت سے شکار کی تیاریاں شروع کر دیتا ہوں — کل صبح سویرے ہم روانہ ہو جائیں گے — ہمارے ساتھ ہر قسم کا سامان ہوگا — ایک ہفتے کی خوراک ہوگی — اگر ہم کہیں سے جلد فارغ ہو گئے تو بھی بقیہ دن ہم جنگل میں گزاریں گے اور اگر کسی ایسے معاملے سے ملاقات نہ ہوئی تب تو کوئی بات ہی نہیں — شکار ہوگا اور ہم ہوں گے — بیگم — تم کیا کہتی ہو؟"

"توبہ توبہ — میں اور شکار۔" انھوں نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"چلو ٹھیک ہے — تم بیگم شیرازی کو یہاں بلا لینا۔"

"آپ میری فکر نہ کریں۔ ہاں ایک درخواست ضرور ہے۔" بیگم جمشید بولیں۔

"درخواست — کیسی درخواست؟" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"واپسی پر میرے لیے ایک آدھ مرغابی ضرور لیتے آیئے گا — مجھے بہت پسند ہیں۔"

"ایک آدھ کیا بھابی — ہم تو شکار کی ہوئی ساری مرغابیاں لے کر آئیں گے۔" خان رحمان بولے۔

"جی نہیں، ایسا نہیں ہو سکے گا — آپ شکار کرتے جائیں گے اور ساتھ ساتھ کھاتے جائیں گے۔"

"اوہ ہاں بھئی — بات تو یہ بھی ٹھیک ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اسی لیے تو میں کہہ رہی ہوں — میرا حصہ لے کر آئیے گا۔"

"اچھی بات ہے — فکر نہ کرو — ایک عدد مرغابی اور ایک ہرن پورا تمھارا۔"

"ہرن نہیں — صرف مرغابی — مجھے ہرن کا گوشت اچھا نہیں لگتا۔" انھوں نے کہا۔

"اچھا یوں ہی سہی۔"

دوسرے دن فجر کی نماز پڑھ کر وہ نون پور کی طرف روانہ ہو گئے — اور ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد دائیں طرف مڑنے والے راستے پر اتر گئے — یہ ایک کچی سڑک تھی — اس کچی سڑک پر بھی انھیں ایک گھنٹے تک چلنا پڑا، کیوں کہ جیپ اور کار کی رفتار کم رکھنا پڑ رہی تھی —

اور پھر جنگل کا سلسلہ شروع ہو گیا — ساتھ ہی انھیں ایک خیمہ نظر آیا — خیمے کے دروازے پر سٹول پر بیٹھا ایک ملٹری مین اونگھ رہا تھا — وہ اتر کر خیمے کی طرف بڑھے — ان کے قدموں کی آواز نے اسے چونکا دیا — اپنی رائفل سنبھالتے ہوئے وہ فوراً سیدھا ہو گیا اور بولا:

"آپ لوگ کدھر جنگل آئے؟"

"مرغابی اور ہرن کا شکار کریں گے۔"

"اب اس جنگل میں داخلہ بند کر دیا گیا ہے۔" اس نے کہا —

"کیوں؟" وہ بولے۔

"جنگل بہت خطرناک ہو گیا ہے — اس میں کوئی بلا آ گھسی ہے — جو شکاریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہے — جتنے شکاری اس بلا کا شکار ہوئے ہیں، ان میں کوئی بھی زخمی حالت میں نہیں مل سکا جس سے کچھ معلوم ہوتا — نتیجہ یہ کہ ابھی تک کچھ معلوم نہیں کیا جا سکا — اس لیے محکمہ شکار نے ملٹری حکام سے درخواست کی کہ یہاں چند آدمی مقرر کر دیے جائیں جو لوگوں کو خطرے سے آگاہ کرتے رہیں۔"

"جو لاشیں ملی ہیں، ان کے جسموں پر کوئی زخم تو ہوتے ہوں گے۔"

"نہیں — یہی تو عجیب بات ہے — ان کے جسموں پر زخم نہیں ہوتے — چہرے پر خوف اور دہشت ضرور ہوتی ہے — ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خوفناک قسم کی بلا جنگل میں آ گھسی ہے، وہ شکاریوں کو گھیر لیتی ہے اور شکاری اس کے خوف اور دہشت سے ہی ہلاک ہو جاتے ہیں۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"لہٰذا آپ لوگ یہیں سے واپس ہو جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہمیں جنگل میں سے آپ کی لاشیں اٹھوا کر آپ کے گھروں کو بھجوانا پڑیں۔"

"تو کیا۔ لاشیں آپ جنگل کے اندر سے اٹھواتے ہیں۔ آپ کو کس طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ اندر کوئی لاش پڑی ہے۔" محمود بولا۔

"یہ بات نہیں۔ ہم تو جب سے یہاں آئے ہیں۔ کسی کو اندر جانے ہی نہیں دیا۔ لاشیں تو اس سے پہلے ملتی رہی ہیں۔ اور وہ جنگل کے کنارے پڑی ملتی۔ یہی ہیں جو نئے آنے والے شکاریوں کو ملتی رہیں!"

"ہوں! واقعی بہت خوفناک اور پُر اسرار معاملہ ہے۔ ان حالات میں بھلا ہم اس جنگل میں گھس کر کیا خاک شکار کھیل سکیں گے۔ کہیں خود ہی اس بلا کا شکار نہ ہو جائیں۔ کیا خیال ہے آپ کا؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"بالکل ٹھیک۔ یہی میں کہتا ہوں۔ آپ فوراً واپس چلے جائیں۔"

"لیکن سوال یہ ہے جناب۔ کیا آپ لوگ اس بلا سے خوف زدہ نہیں ہیں؟"

"ہم۔ ہم تو جنگل سے باہر ہیں۔ جب کہ بلا جنگل میں کہیں رہتی ہے۔"

"لیکن وہ یہاں تک آ تو سکتی ہے۔ آپ لوگوں نے اپنی حفاظت کا کیا انتظام کر رکھا ہے؟"

"آپ ہماری فکر نہ کریں۔ ہمارے کیپٹن بہت دلیر آدمی ہیں، اس وقت سو رہے ہیں، ورنہ آپ کو ان سے ضرور ملواتا۔"

"تو کیا آپ دو ہی آدمی یہاں مقرر ہیں؟" انھوں نے پوچھا۔

"نہیں۔ ہمارے ساتھ تین سپاہی اور ہیں۔ وہ آج شہر سے خوراک لینے گئے ہیں، ہفتے بھر کی خوراک لے آتے ہیں ہم لوگ۔"

"شکریہ جناب۔ میں ایک سوال اور کروں گا۔ امید ہے، آپ برا نہیں مانیں گے۔ سوال یہ ہے کہ کچھ لوگ سر پھرے قسم کے ہوتے ہیں۔ وہ آپ کے سمجھانے پر یہاں سے تو لوٹ جائیں گے۔ کسی اور طرف سے جنگل میں داخل ہو جائیں گے۔"

"ہمارا فرض ہے۔ سمجھا دینا۔ کوئی نہیں مانتا تو ہم کیا کر سکتے ہیں، ہماری طرف سے تو آپ بھی نہ مانیں اور داخل ہو جائیں جنگل میں۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔

"آپ کا نام کیا ہے؟"

"میں — میں فرز بھولا ہوں۔"

"اور آپ کے کیپٹن کا نام کیا ہے؟"

"آخر آپ یہ سب سوالات کیوں کر رہے ہیں؟"

"بس ایسے ہی، معلومات میں اضافہ کرنے کے لیے — ہاں تو کیپٹن صاحب کا نام کیا ہے؟"

"کیپٹن نارو۔"

"کون ہے بھئی — کیا بات ہے — مجھے کس نے پکارا۔" اندر سے نیند میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

"کچھ شکاری ہیں سر — میں نے انہیں سمجھا دیا ہے اور یہ سمجھ بھی گئے ہیں۔"

"بہت خوب شامی — تم اپنے کام میں بہت تیز ہو۔" اندر سے آواز سنائی دی۔

"شامی — آپ نے تو اپنا نام فرز بھولا بتایا تھا۔" فرزانہ چونک کر بولی۔

"فرز بھولا میرا گھریلو نام ہے — پیار کا نام کہہ لیں — اصل نام حامد شامی ہے۔"

"اوہ شکریہ — آؤ بھئی — واپس چلیں۔"

"جی کیا فرمایا — واپس چلیں۔" محمود حیران رہ گیا۔

"ہاں، واپس چلنا ہی مفید ہوگا — ہم کیوں خطرہ مول

لیں — کسی اور جنگل میں شکار کھیل لیں گے۔"

"لل — لیکن۔" فاروق نے کچھ کہنا چاہا۔

"کسی لیکن ویکن کی گنجائش نہیں — بس آؤ۔"

انسپکٹر جمشید نے کہا اور جیپ کی طرف مڑ گئے — ان کے ساتھی حیرت زدہ سے ان کے پیچھے قدم اٹھانے لگے — ایسے میں خیمے کا پردہ اٹھا اور ایک آواز گونجی:

"ٹھہرو!"

دُوسری کہانی

وُہ چونک کر مُڑے ، لمبے قد کا ایک نوجوان وردی کی وردی میں تنا کھڑا تھا — اس کی نظریں ان پر جمی تھیں :

" آپ لوگ کون ہیں ؟ "

" اس وقت تو ہم صرف شکاری ہیں " انسپکٹر جمشید مسکرائے اور پھر اس کی طرف قدم اُٹھانے لگے ۔

" اس وقت سے کیا مطلب ؟ " اس نے منہ بنایا ۔

" مطلب یہ کہ ہم کوئی پیشہ ور شکاری نہیں ہیں ، شوقیہ شکاری بنے ہیں — کیا یہ کوئی جُرم ہے ؟ "

" نہیں — کیا آپ لوگوں کے پاس شکار کھیلنے کا لائسنس ہے ؟ "

" کیا مطلب — کیا شکار کھیلنے کے لیے کسی لائسنس کی بھی ضرورت ہوتی ہے ؟ " انسپکٹر جمشید چونکے ۔

" ہاں بالکل — آپ کو اتنا بھی نہیں معلوم اور چلے آئے ہیں شکار کھیلنے ۔ "

" تب تو ہمیں افسوس ہے — ہمارے پاس لائسنس نہیں ہے ۔ "

" ان حالات میں تو آپ کو جرمانہ ہونا چاہیے ۔ "

" لیکن کیسے — ابھی ہم نے شکار کھیلا کہاں ہے — ہمیں شکار کھیلتے ہوئے پکڑ لیں اور جرمانہ کر دیں — اور پھر اس جنگل میں تو یوں بھی شکار کھیلنا منع ہے ۔ "

" ہاں ! لیکن اس کے باوجود آپ لوگوں کے پاس لائسنس ہونا چاہیے — جو کہ آپ کے پاس نہیں ہے ، لہذا آپ کو جرمانہ ادا کرنا ہو گا ۔ "

" دیکھیے جناب — ہم نے ابھی تک ایک مرغابی بھی شکار نہیں کی — بلکہ جنگل کی حدود میں داخل تک نہیں ہوئے ، ان حالات میں ہم جرمانہ کیوں ادا کریں ۔ "

" تب پھر میں آپ لوگوں کو حراست میں لے لیتا ہوں — پھر متعلقہ پولیس اسٹیشن بھجوا دوں گا — آپ جانیں اور شہر کے حکام جانیں ۔ "

" فی الحال تو آپ کے پاس سپاہی ہیں نہیں — ہمیں شہر کس طرح بھیجیں گے ؟ "

" آپ فکر نہ کریں — وہ میں کر لوں گا ۔ " کیپٹن بولا ۔

" بہت بہتر — کر لیں — ہمارے لیے کیا حکم ہے ؟ "

" خیمے میں آ کر بیٹھ جائیں — سپاہی آ جائیں گے تو ان کے

ساتھ آپ کو بھیج دیا جائے گا۔"

"حیرت ہے۔ میں نے آج تک کبھی اس طرح کسی کو حوالات بھیجتے نہیں دیکھا۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"کس طرح۔" کیپٹن نارو نے آنکھیں نکالیں۔

"جس طرح آپ بھیج رہے ہیں۔ یعنی جرم کوئی کیا نہیں۔ جرمانہ ادا کرو یا حوالات چلے جاؤ۔ بھئی واہ۔ ویسے معاف کیجیے، آپ اپنے کاغذات چیک کرا سکتے ہیں؟"

"اپنے کاغذات۔ کیا مطلب؟"

"آپ نے اپنے کا مطلب پوچھا ہے یا کاغذات کا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"تو آپ ہمارے کاغذات چیک کرنا چاہتے ہیں، کیا آپ کے خیال میں ہم نقلی ہیں؟"

"نقلی ہونا کوئی نا ممکن بات نہیں۔" انھوں نے کہا۔

"بہت خوب۔ بھئی شامی، انھیں کاغذات دکھا دو۔"

"بہت بہتر سر۔" شامی نے کہا اور خیمے کے اندر چلا گیا، جلد ہی باہر آیا تو اس کے ہاتھ میں شناختی کارڈ تھے۔

انسپکٹر جمشید نے کارڈ لے کر بغور دیکھے اور پھر بول اٹھے،

"ارے! یہ تو بالکل جعلی ہیں۔"

"کیا!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہاں! یہ بالکل جعلی ہیں۔"

"آپ کو اصلی اور نقلی کی تمیز بھی ہے۔ یہ جعلی کس طرح ہو سکتے ہیں، شامی تم کہیں دوسرے کاغذات تو نہیں اٹھا لائے۔"

"اوہ۔ ہو سکتا ہے سر۔" شامی نے گھبرا کر کہا۔

"جاؤ۔ اصلی والے کاغذات نکال کر لاؤ۔" نارو غرایا۔

"او کے سر۔ ابھی لایا۔" شامی نے کہا اور پھر اندر داخل ہو گیا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ کیا آپ نے ڈبل ڈبل کاغذات رکھے ہوئے ہیں، اصلی بھی اور نقلی بھی؟"

"ہاں کیا کیا جائے۔ مجبوری ہے، رکھنے پڑتے ہیں۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"کیا مطلب۔ مجبوری ہے، رکھنے پڑتے ہیں۔" محمود حیران رہ گیا۔

"ہاں! ابھی وضاحت ہو جاتی ہے۔ پہلے آپ اصلی کاغذات دیکھ لیں۔" اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔

اسی وقت شامی باہر نکلا۔ انھوں نے دیکھا، اس کے ہاتھ میں ایک مشین گن تھی۔ اس کی نالی کا رُخ ان کی طرف تھا اور انگلی ٹریگر پر۔

"بھئی واہ۔ کس قدر اصلی کاغذات ہیں، میں نے آج تک اتنے اصلی کاغذات نہیں دیکھے۔" فاروق چہک کر بولا۔

"ہاتھ اوپر اٹھا دو ۔ ورنہ دھجیاں اڑ جائیں گی۔" نارو غرایا ۔

"کیا واقعی ۔ تب تو ہم دھجیاں اڑتے ضرور دیکھیں گے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا ۔

نارو اور شامی نے انہیں بوکھلا کر دیکھا ۔ آنکھوں میں شدید حیرت تیرتی نظر آئی ۔

"حیرت ہے ، سٹین گن کو دیکھ کر ان لوگوں کے چہروں پر ذرا خوف نظر نہیں آیا۔" نارو نے پریشان ہو کر کہا ۔

"ہو سکتا ہے ، یہ اس سٹین گن کو بھی نقلی خیال کر رہے ہوں ۔"

"ہاں ۔ واقعی ۔ شامی ۔ درختوں پر فائر کھول کر دکھا دو ، تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ یہ اصلی ہے یا نقلی۔"

"اوکے سر!" شامی نے کہا اور اپنا رُخ تبدیل کر کے ٹریگر دبا دیا ۔ تڑا تڑ گولیاں برسنے لگیں ۔ جوں ہی گولیوں کی تڑا تڑ رکی ، انسپکٹر جمشید نے شامی پر چھلانگ لگا دی اور اسے ساتھ لیتے ہوئے زمین پر آ رہے ۔ ساتھ ہی ان کا ایک ہاتھ سٹین گن پر پڑا ۔ دوسرا ہاتھ اس کی ٹھوڑی پر اس زور سے لگا کہ تارے نظر آ گئے ہوں گے ۔

"اور پھر وہ سیدھے اُٹھ کھڑے ہوئے ۔ نارو ہکا بکا دیکھتا ہی رہ گیا ۔ شاید اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ یہ کیا ہوا ۔

"اب تم دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دو۔" انسپکٹر جمشید بولے ۔

نارو کے ہاتھ اوپر اُٹھ گئے ۔ شامی اُٹھ کر کھڑا ہونے کی کوشش کر رہا تھا ۔ آخر اُٹھنے کے بعد اس نے بھی ہاتھ اوپر اُٹھا دیے ۔

"محمود ، فاروق ۔ تم خیمے کی تلاشی لو۔"

"جی بہتر۔" دونوں نے کہا اور خیمے میں گھس گئے ۔

دو منٹ بعد وہ باہر آئے اور بولے :

"خیمے میں چند رائفلوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔"

"ہوں ۔ وہ رائفلیں نکال لاؤ۔" یہ کہہ کر وہ ان کی طرف مُڑے :

"ہاں دوستو ۔ اب بتاؤ ۔ یہ کیا چکر ہے؟"

"چکر کے بارے میں ہمیں معلوم نہیں۔"

"چکر کے بارے میں تمہیں معلوم نہیں ۔ تو پھر یہ سٹین گن کس لیے چلا رہے تھے ہم پر۔" انسپکٹر جمشید بولے ۔

"یہ تو یوں ہی ڈرانا تھا۔"

"اب ہمیں کیا معلوم تھا جناب ۔ کہ یہ صرف ڈراوا تھا ، گولیاں تو اصلی نکلی تھیں۔"

"سٹین گن نقلی نہیں ہے۔" اس نے فوراً کہا ۔

"تم نے کہا ہے کہ چکر کے بارے میں تمہیں معلوم نہیں ۔ تو

پھر کس کو معلوم ہے؟

"جن لوگوں نے ہمیں وردیاں پہنا کر یہاں بٹھایا ہے — انھوں نے ہمیں ہر ماہ دو دو ہزار روپے تنخواہ پر یہاں رکھا ہے۔ کام صرف اتنا ہے کہ کسی کو جنگل کا رُخ نہ کرنے دیں — یہ بتا کر واپس کر دیں کہ جنگل خطرناک ہے اور کچھ شکاری جنگل میں اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔"

"تو کیا واقعی کچھ لوگ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں یا یہ بھی صرف خبر ہی اڑائی گئی ہے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"یہ بھی ہمیں معلوم نہیں۔"

"میرا خیال ہے — یہ صرف خبر نہیں اڑائی گئی — کچھ لوگ موت کا شکار ہوئے ہیں، کیوں کہ چابکیا مازی نے یہ بات بتائی تھی۔"

"ہو سکتا ہے، انھوں نے بھی سُنی سُنائی بات سُنا دی ہو۔"

"خیر — اس کی بھی تصدیق کر لی جائے گی — پہلے ان سے بات کر لیں۔" یہ کہ کر وہ ان دونوں سے مخاطب ہوئے:

"ہاں تو آپ کو یہاں کچھ لوگوں نے مقرر کر رکھا ہے — تاکہ آپ کسی کو جنگل میں داخل نہ ہونے دیں — اور اس غرض کے لیے وہ آپ کو دو دو ہزار روپے تنخواہ دیتے ہیں۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"آپ کب سے ملازم ہیں؟"

"بس دو ہی۔" نارو بولا۔

"تو کچھ لوگوں کے شہر جانے والی بات غلط تھی۔"

"ہاں! ہم تو بس دو ہی ہیں۔"

"اور تم دونوں کو یہاں مقرر کرنے والے کون لوگ ہیں، وہ کتنے ہیں، ان کے نام کیا ہیں؟"

"ہم سے تو صرف ایک آدمی شہر میں ملا تھا، ہم دونوں دوست ہیں اور ان دنوں بے کار پھر رہے تھے — وہ ہمیں اپنی کار میں بٹھا کر یہاں لے آیا اور بتانے لگا کہ جنگل بہت خطرناک ہو گیا ہے — لوگوں کو اس جنگل میں داخل ہونے سے روکنا ضروری ہے، کیوں کہ اب تک کئی آدمی کسی نامعلوم درندے کی درندگی کا شکار ہو چکے ہیں — اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ آپ دونوں کو یہاں ایک خیمہ لگوا دیں — آپ عملے کی وردی میں یہاں موجود رہا کریں، وردیاں بھی آپ کو ہم دیں گے — دو دو ہزار تنخواہ ملے گی — اس کی پیش کش بے روزگار انسانوں کے لیے بہت شاندار تھی — ہم نے فوراً قبول کر لی — یہ ہے کُل کہانی۔"

"نہیں بھئی — یہ کُل کہانی نہیں ہے — ابھی اس کا کچھ حصہ باقی ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مطلب؟"

"محمود! تم ان دونوں کو بتاؤ — کہانی کا کون سا حصہ باقی ہے۔"

"شین گن اور رائفلوں والا — ان لوگوں نے انھیں شین گن اور اتنی رائفلیں کس طرح دے دیں — اور انھوں نے فوری طور پر انھیں چلانا کس طرح سیکھ لیا — یہ بے چارے تو بے کار پھر رہے تھے — درختوں پر جس انداز سے فائرنگ کی گئی — وہ ایک اناڑی کا انداز نہیں تھا — وہ فائرنگ ایک ماہر کی فائرنگ تھی — اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی یہ کہانی یا تو مکمل طور پر جھوٹ ہے — یا پھر اس کا کچھ حصہ جھوٹ ضرور ہے۔"

"بہت خوب محمود — میرا بھی یہی خیال ہے — ہاں بھئی — اس اعتراض کے سلسلے میں تم کیا کہتے ہو؟"

"آپ — آپ کون ہیں جناب؟" نارو نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بہت جلد یہ بات پوچھنے کا خیال آ گیا — بھئی مجھے انسپکٹر جمشید کہتے ہیں۔"

"نہیں!!" شامی خوف زدہ انداز میں پیچھے ہٹا — دونوں کا منہ کھل گیا، آنکھیں پھیل گئیں —

○

"اب کیا خیال ہے — اصلی کہانی سنانے کا ارادہ ہے یا نہیں؟"

"جی — جی ہاں — ہم اصلی کہانی آپ کو سنائیں گے، کیوں کہ آپ سے کچھ چھپانا ممکن نہیں، اگر پہلے ہی معلوم کر لیتے کہ آپ کون ہیں تو یہ ہیر پھیر نہ کرتے۔" نارو نے کہا۔

"چلو خیر — کوئی بات نہیں — دوسری کہانی کیا ہے؟"

"ہم کسی زمانے میں جیب کترے تھے — ایک ساتھ رہتے تھے، ایک ساتھ جیبیں کاٹنے کے لیے گھر سے نکلتے تھے — ایک دن پکڑے گئے اور چار سال کی سزا ہوئی — سزا کاٹ کر باہر نکلے، گھر پہنچے، دروازہ کھولا تو ایک لفافہ اندر پڑا تھا — اس میں ایک رقعہ تھا — اس پر لکھا تھا — اگر کام کرنے کے خواہش مند ہو تو ہوٹل ابرار کے کمرہ نمبر ۹ میں ملو — ہم ہوٹل ابرار کے کمرہ نمبر ۹ میں گئے — وہاں ایک عجیب سی شکل صورت کے آدمی سے ملاقات ہوئی — ہمارا خیال ہے — وہ میک اپ میں تھا — اس نے ہم سے اس جنگل کا ذکر کیا — باقی تفصیل وہی ہے — جو ہم بتا چکے ہیں۔" نارو یہاں تک کہہ کر رک گیا۔

"تمھارا مطلب ہے، اس نامعلوم شخص نے تمھیں یہاں مقرر کر دیا — دو دو ہزار روپے ماہوار تنخواہ پر۔" انسپکٹر جمشید بولے — ان کے لہجے میں اب بھی بے یقینی تھی۔

"جی ہاں — بالکل۔"

"نہیں بھئی — تم لوگ اب بھی کچھ چھپا رہے ہو — آخر اس

خیمے میں اتنی رائفلوں کی کیا ضرورت ۔ وہ تمہیں ایک ایک پستول یا ایک ایک رائفل دے سکتا تھا۔"

"خیر اسی حالت میں ہمیں ملا تھا ۔ اس دن کے بعد اس سے ملاقات بھی نہیں ہوئی کہ ہم کچھ پوچھ سکتے" نادو نے کہا۔

"اور تنخواہ ۔ وہ تمہیں کس طرح ملتی ہے؟"

"ہر ماہ کی یکم تاریخ کو ہوٹل ابرار کے کمرہ نمبر دو سے" نادو بولا۔

"کیا مطلب ۔ ابھی تو تم نے کہا تھا کہ اس روز کے بعد تمہاری اس نامعلوم آدمی سے ملاقات نہیں ہوئی"

"جی ہاں! یہ بالکل سچ ہے ۔ اس نے پہلے روز ہی یہ کہہ دیا تھا کہ ہم اپنی تنخواہ ہر پہلی کو اس کمرے سے آ کر وصول کیا کریں گے ۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تنخواہ ہمیں اسی کمرے سے ملتی ہے" نادو نے کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونک اٹھے۔

"ہم کمرے میں داخل ہو کر میز کی دراز کھولتے ہیں ۔ اس میں چار ہزار روپے موجود ہوتے ہیں"

"یہ تو بہت عجیب بات ہے ۔ وہ روپے تو کوئی اور بھی نکال سکتا ہے"

"جی ہاں، لیکن آج تک ایسا ہوا نہیں ۔ ہمیں وہاں سے تنخواہ لیتے چھ ماہ ہو چلے ہیں۔"

"حیرت ہے ۔ کیا ہوٹل کا کمرہ کھلا ملتا ہے؟"

"جی ہاں ۔ دروازے پر تالا نہیں لگا ملتا۔"

"خان رحمان ۔ یہ شین گن ذرا تم سنبھال لو ۔ ان کا دھیان رکھنا ۔ ابھی تک میرا خیال یہ ہے کہ یہ جھوٹ پر جھوٹ بول رہے ہیں" انسپکٹر جمشید بولے۔

"فکر نہ کرو ۔ تم جانتے ہی ہو، میں جھوٹ پر جھوٹ بولنے والوں کے ساتھ کس طرح پیش آیا کرتا ہوں۔"

"ہاں، بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔" وہ مسکرائے۔

شین گن انہیں دے کر وہ رائفلوں کی طرف بڑھ گئے ۔ اور ایک ایک رائفل اٹھا کر دیکھنے لگے۔

"کیا آپ یہ دیکھ رہے ہیں ابا جان ۔ کہ رائفلیں اصلی ہیں یا نقلی۔"

"ہاں بھئی ۔ یہ بھی دیکھ رہا ہوں" انھوں نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے ۔ آپ کچھ اور بھی دیکھ رہے ہیں؟"

"بالکل، کیوں کہ میرا اصول ہے، تیل دیکھو، تیل کی دھار دیکھو" وہ مسکرائے۔

"رائفلوں کی دھار کیسے ابا جان" فاروق بولا اور پروفیسر داؤد بے ساختہ ہنس پڑے۔

"شکر ہے پروفیسر انکل ۔ آپ کی بھی آواز سنائی دی۔"

"بھئی اب میں کیا بولتا — موقع محل دیکھ کر ہی بولنا اچھا لگتا ہے۔" پروفیسر داؤد نے مسکرا کر کہا۔

"یہ — یہ جملہ آپ نے فاروق کی موجودگی میں کہہ دیا انکل۔" محمود بوکھلا اُٹھا۔

"ہاں کیوں — اس میں کیا حرج ہے۔" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"حرج یہ ہے انکل کہ فاروق تو ہمیشہ موقع محل دیکھے بغیر بولنے لگتا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"میرے خیال میں تو اس وقت تم دونوں اس پر عمل کر رہے ہو۔" فاروق نے جل کر کہا۔

اسی وقت انسپکٹر جمشید بولے:

"بھئی ختم کرو، میں نے رائفلوں کا معائنہ ختم کر لیا۔"

"تو آپ نے ہمیں اِدھر اُدھر کی ہانکنے کی اجازت اس لیے دے دی تھی کہ آپ اس دوران اپنا جائزہ مکمل کر لیں۔" محمود حیران ہو کر بولا۔

"چلو یہی سہی — اب ذرا خاموش رہو — میں یہ خاص بات بتانے لگا ہوں کہ یہ دونوں سر سے لے کر پیر تک جھوٹے ثابت ہو گئے ہیں۔"

"جی کیا مطلب — یہ ثبوت آپ کو رائفلوں کے معائنے سے کس طرح حاصل ہو گیا؟"

"بس ہو گیا۔" وہ مسکرائے۔

"ضرور کوئی خاص بات تم نے معلوم کی ہے جمشید۔" پروفیسر داؤد بولے —

"جی ہاں پروفیسر صاحب — اس قدر اہم کہ طبیعت خوش ہو گئی۔"

"تت — تو کیا یہ رائفلیں نقلی ہیں؟"

"نہیں — بالکل اصلی ہیں، لیکن ہمارے ملک کی تیار کردہ نہیں ہیں، ہمارے کسی دوست ملک کی تیار کردہ بھی نہیں ہیں — بلکہ ہمارے بد ترین دشمن وشاس کی ہیں — اور اس کا مطلب صرف اور صرف یہ ہے کہ وشاس براہِ راست اس معاملے سے تعلق رکھتا ہے — اور یہ ضرور کوئی بہت گہرا چکر ہے — لہذا میں نے شکار کا پروگرام فوری طور پر تبدیل کر دیا ہے۔"

"جی کیا مطلب۔" وہ زور سے چونکے —

پُرانا نام

"پروگرام تبدیل کر دیا ہے — یعنی اب ہم شکار نہیں کھیلیں گے، منور علی خان کی یاد تازہ نہیں کریں گے۔" پروفیسر داؤد نے آنکھیں نکالیں —

"یہ بات نہیں پروفیسر صاحب — ہم شکار ضرور کھیلیں گے — اپنے پروگرام کے مطابق مرغابیوں اور ہرنوں کا شکار کریں گے، اور کم از کم ایک مرغابی گھر بھی لے جائیں گے، لیکن اس وقت ہم جنگل میں داخل نہیں ہوں گے، پہلے یہ معلوم کریں گے کہ وشاس یہ کیوں چاہتا ہے کہ لوگ اس جنگل میں داخل نہ ہوں۔"

"لیکن یہ بات تو ہم اس جنگل میں داخل ہونے کے بعد ہی معلوم کر سکتے ہیں۔" خان رحمان نے اعتراض کیا۔

"ہاں — شاید — لیکن جنگل میں داخل ہونے سے پہلے بھی ہمارے پاس دو راستے ہیں — ایک راستہ تو یہ دونوں ہیں — اور دوسرا راستہ ہوٹل ابرار کا کمرہ نمبر ۹ ہے — ہم پہلے ان راستوں کے ذریعے

معاملے کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کریں گے — اس کے بعد جنگل کا رخ کریں گے — اگر ہم ناکام نہ رہیں — اگر اسی وقت جنگل میں داخل ہو گئے تو ہو سکتا ہے، ہم خود دشمن کا شکار ہو جائیں۔"

"میرا خیال ہے، آپ کی تجویز بہت مناسب ہے۔"

"تو پھر اسی وقت واپسی ہو گی — چلو بھئی — تم ہمارے ساتھ چلو گے۔"

ان کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا — یوں لگتا تھا، جیسے سانپ سونگھ گیا ہو — پہلے انہیں باندھا گیا اور پھر جیپ کے پچھلے حصے میں لاد دیا گیا — اسی وقت انسپکٹر جمشید کو ایک خیال آیا، وہ ایک بار پھر خیمے میں داخل ہوئے — محمود، فاروق اور فرزانہ نے بھی ان کا ساتھ دیا۔

"ہم نے خیمے کا اب تک سرسری جائزہ لیا تھا — اگر ان لوگوں کا تعلق وشاس سے ہے اور یہ سب کچھ وشاس کی کوئی سازش ہے تو پھر اس خیمے میں پیغام رسانی کا ضرور کوئی آلہ موجود ہو گا۔"

"اوہ ہاں — واقعی۔" محمود بولا۔

عین اسی وقت ٹوں ٹوں کی آواز خیمے میں گونج اٹھی۔

"لیجیے — ٹرانسمیٹر خود ہی مل گیا۔"

ان کی نظریں میز پر پڑے ٹرانسمیٹر نما ٹرانسمیٹر پر پڑیں — آواز اسی میں سے ابھر رہی تھی اور ایک سرخ بلب بار بار جل

اور بجھ رہا تھا۔

"اب کیا کیا جائے؟" محمود نے پریشان آواز میں کہا۔

"ہم اس پیغام کا جواب نہیں دیں گے۔ صورتِ حال معلوم کرنے کیا خبر وہ نامعلوم آدمی خود آ جائے۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"بہت خوب۔ فرزانہ کی تجویز پسند آئی، لیکن اس طرح ہمیں پروگرام میں کچھ اور تبدیلی کرنا پڑے گی۔ اور وہ یہ کہ تم تینوں یہاں ٹھہر کر اس کا انتظار کرو۔ میں تمھارے انکل کے ساتھ ان دونوں کو شہر لے کر جاتا ہوں۔ ہم بہت جلد واپس آنے کی کوشش کریں گے۔"

"تجویز معقول ہے۔ ان حالات میں اس سے بہتر کوئی ترکیب ہو ہی نہیں سکتی۔" محمود نے کہا۔

"تب پھر۔ یہاں کا چارج میں تمھیں دیتے ہوئے رخصت ہوتا ہوں۔"

انھوں نے کہا اور خیمے سے نکل گئے۔ جلد ہی انھوں نے کار اور جیپ کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔

"میرا خیال ہے۔ اب انھیں دونوں چیزیں لے جانے کی ضرورت نہیں۔ کم از کم کار یہاں چھوڑی جا سکتی ہے۔ نہ جانے یہاں کیا حالات پیش آئیں اور کیا کرنا پڑے۔" یہ کہتے ہی فاروق نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔ اور عین اس وقت کار کے نزدیک پہنچ

گیا جب کہ کار آگے بڑھ چکی تھی، لیکن خان رحمان نے آئینے میں فاروق کو دیکھ لیا اور کار روک لی، ان کے ساتھ ہی جیپ بھی رک گئی۔

"اب کیا ہوا؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی۔ ابھی تو خیر کچھ نہیں ہوا۔ کیا آپ کار چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ اس کی ہمیں بھی تو ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

"ہوں۔ بات تو ٹھیک ہے۔ خان رحمان تم جیپ میں آ جاؤ۔"

"اچھی بات ہے۔"

"لیکن بھئی۔ خیمے کے پاس کار کھڑی رکھنا تو غلط ہوگا، جب کہ تمھیں اس نامعلوم آدمی کا انتظار کرنا ہے۔" خان رحمان بولے۔

"آپ فکر نہ کریں۔ ہم اسے ادھر اُدھر کر دیں گے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"جی ہاں۔ یہ ادھر اُدھر کرنے میں بہت ماہر ہے۔" پیچھے سے فرزانہ کی آواز سنائی دی۔ فاروق جھلا کر اس کی طرف مڑا اور جیپ آگے بڑھ گئی۔

"جلنے، بھننے اور تلملانے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ ہم پہلے کار کو کسی جھنڈ میں کھڑا کر دیں اور پھر اس بات پر غور کریں کہ ہمیں کیا کرنا ہے، نامعلوم آدمی کا انتظار کس طرح کرنا ہے۔" محمود نے رائے دی۔

"انتظار کرنے کے بھی بھلا کئی طریقے ہوتے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"چلو خیر نہیں ہوتے ہوں گے۔" محمود نے کہا اور کار کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ فاروق اور فرزانہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے اور دائیں طرف درختوں کے درمیان کار آگے بڑھنے لگی۔ پھر ایک جگہ گھنے درختوں کا جھنڈ نظر آیا۔

"کیا خیال ہے۔ یہ جگہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔" محمود بولا۔

"ہاں، بس اتنا خیال رہے۔ ضرورت پڑنے پر ہم بآسانی اسے نکال لیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ میں یہاں سے اسے فوری طور پر نکال سکتا ہوں۔" کار وہاں کھڑی کر کے وہ پھر خیمے کی طرف آئے۔ ٹرانسمیٹر کی ٹوں ٹوں اب رُک چکی تھی۔

"پہلے تو ہمیں جیپ اور کار کے ٹائروں کے نشانات مٹانا ہوں گے۔ تاکہ نامعلوم دشمن آکر یہ اندازہ نہ لگا سکے کہ یہاں ایک کار اور ایک جیپ آئی تھیں۔ اور ان کے دونوں ساتھیوں کو یہاں سے لے گئیں۔ اسے تو یہاں آکر الجھن کا شکار ہو جانا چاہیے کہ اس کے آدمیوں پر کیا گزری۔ وہ کہاں گئے۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"بالکل ٹھیک۔ آؤ۔" محمود نے پرجوش لہجے میں کہا۔

انھوں نے راستے سے جیپ اور کار ... ٹائروں کے نشانات

مٹانے کا کام شروع کر دیا۔ اس غرض کے لیے انھوں نے درختوں سے بہت سی شاخیں توڑیں، انھیں جھاڑو کی صورت میں باندھا اور پھر ان کے ذریعے سے نشانات مٹاتے آگے بڑھنے لگے۔ بہت دُور تک نشانات مٹانے کے بعد وہ پھر خیمے کی طرف آئے تو رات کی تاریکی پھیل چکی تھی۔

"یہ دونوں رات کو یہاں کس طرح رہتے ہوں گے۔ انھیں ڈر نہیں لگتا ہو گا۔" فاروق بڑبڑایا۔

"بھئی تم سب کو اپنے جیسا تو نہ سمجھا کرو۔" محمود نے مذاق اُڑایا۔

"اوہ۔ اس کا مطلب ہے۔ انھیں واقعی ڈر لگتا ہو گا۔" فاروق خوش ہو کر بولا۔

"یہ مطلب کس طرح نکل آیا؟" فرزانہ نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"اپنے مطلب کا مطلب نکالنا اس کے لیے کیا مشکل ہے۔" محمود مسکرایا۔

"یہ مجھ پر سراسر الزام ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اب یہ بتاؤ۔ انتظار کس طرح کریں؟" فرزانہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

"ہم بتائیں۔ تمھاری ترکیبوں کی پٹاری کیا ہوئی؟" فاروق نے جل

کر کہا۔

اسی وقت سڑک کی طرف سے ایک کار کی لائٹیں نظر آئیں۔ وہ چونک اُٹھے اور فوراً درختوں کی اوٹ میں جا کھڑے ہوئے۔

"کیوں نہ ہم اور پیچھے ہٹ چلیں۔ ہمیں خیمے سے اس قدر نزدیک بھی نہیں ہونا چاہیے۔" فرزانہ نے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ آؤ۔"

وہ اور پیچھے ہٹ آئے۔ اور تین تن آور درختوں کی اوٹ میں کھڑے ہو گئے۔ ان کی نظریں آنے والی کار پر جم گئیں۔ نزدیک آنے پر انھوں نے دیکھا۔ وہ ایک چھوٹی سی کار تھی، اور اس میں صرف ایک آدمی بیٹھا تھا۔ خیمے کے نزدیک پہنچ کر کار رک گئی اور اس میں سے ایک لمبے قد کا پتلا دبلا آدمی اترا۔ سر پر ہیٹ تھا جو چہرے پر جھکا ہوا تھا اور اس کی وجہ سے چہرہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ پہلے تو اس نے کار کا ہارن بجایا اور پھر خیمے کی طرف بڑھا۔

"سنو، میں ایک کام کرنے لگا ہوں۔ امید ہے تم مجھے نہیں روکو گے۔" محمود نے سرگوشی کی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ کر ڈالو۔" فاروق نے گویا اجازت دی۔

محمود یک دم نیچے جھکا اور کار کی طرف بڑھنے لگا۔ اس وقت تک لمبا آدمی خیمے میں داخل ہو چکا تھا۔ جلد ہی وہ باہر نکل

آیا۔ اسی وقت ایک عجیب سی آواز گونجی۔ لمبا آدمی اچھل پڑا، جلدی سے کار کی طرف بڑھا۔ ساتھ ہی اس کے ہاتھ میں ٹارچ نظر آئی۔ اس نے ٹارچ کی روشنی میں کار کے ٹائروں کا جائزہ لیا اور پھر بڑبڑایا:

"کیا مصیبت ہے۔ ٹائر بھی ابھی پنکچر ہونا تھا۔ اور یہ دونوں اُلو کے پٹھے نہ جانے کہاں چلے گئے۔"

فاروق اور فرزانہ مسکرا دیے۔ محمود کو وہیں کہیں رُک جانا پڑا تھا، کیوں کہ ہوا نکلنے کی آواز سنتے ہی لمبا آدمی کار کی طرف لپک پڑا تھا۔

○

وہ جیپ کو پہلے اپنے دفتر کی طرف لے گئے۔ ان دونوں کو اکرام کے حوالے کرتے ہوئے انھوں نے کہا:

"اکرام یہ ذرا خاص قسم کے مجرم ہیں، ان کی خاص نگرانی کی ضرورت ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں سر۔ ویسے میں انھیں پہچانتا ہوں۔" اکرام بولا۔

"اوہو اچھا۔ ذرا بتانا تو یہ کون ہیں؟"

"کسی زمانے میں لوگوں کی جیبیں کاٹتے تھے۔ اب میں نے بہت عرصے بعد دیکھا ہے۔ ہاں یاد آیا، چند سال پہلے پکڑے گئے تھے اور شاید انہیں سزا ہو گئی تھی۔ غالباً یہ سزا کاٹ کر آ گئے ہیں اور آتے ہی پرانا دھندا پھر سے شروع کر دیا ہے۔" اکرام نے جلدی جلدی کہا۔

"ہوں! ان کے نام کیا ہیں؟"

"حامد شامی اور جاوید نادر۔ کیا انہوں نے اپنے یہی نام بتائے ہیں؟"

"ہاں! قریب یہی۔ ویسے انہوں نے مجھ سے جھوٹ بولنے کی بہت کوشش کی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان کا ایک بھی جھوٹ نہیں چلا۔ اچھا، ان سے پھر بات ہو گی۔" یہ کہہ کر وہ مڑنے ہی لگے تھے کہ کسی خیال کے تحت رک گئے:

"ہاں بھئی۔ ہوٹل ابرار کے بارے میں تمہاری معلومات کیا ہیں؟"

"اس کے مالک کا نام روجر گرمانی ہے، منیجر کا نام کبیر نیازی ہے۔ ہوٹل اونچے درجے کا ضرور ہے، لیکن اس کی شہرت اچھی نہیں ہے، شریف لوگ اس کا رخ کرنا پسند نہیں کرتے، اگرچہ آج تک اس ہوٹل کے خلاف کوئی غلط بات ثابت نہیں ہو سکی۔"

"تمہارا اپنا کیا خیال ہے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میرا خیال ہے، وہاں کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہوتی ہے۔

کیا ہوتی ہے، یہ مجھے معلوم نہیں۔ کسی زمانے میں میں نے یہ بات جاننے کی کوشش کی تھی اور کئی دن تک بھیس بدل کر ہوٹل میں ٹھہرا تھا، لیکن کچھ معلوم نہ کر سکا، نہ کچھ دیکھ سکا۔"

"شکریہ اکرام، میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ آئیے بھئی چلیں۔"

تینوں دفتر سے نکل کر جیپ میں آ بیٹھے، ایسے میں پروفیسر داؤد بولے:

"جمشید۔ یہ ہم شکار کھیل رہے ہیں؟"

"شکار کھیلنے کے لیے میدان ہموار کر رہے ہیں پروفیسر صاحب، آپ خود ہی سوچیے، اگر جنگل میں داخل ہوتے ہی ہم موت کا شکار ہو گئے تو شکار کیسے کھیل سکیں گے، زندگی میں پہلی بار تو یہ ارادہ کیا ہے۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔ ویسے جمشید، میرا خیال ہے۔ ہم اپنی زندگی کا یہ پہلا شکار شاید ہی کھیل سکیں۔" خان رحمان بولے۔

"کیوں ایسی کیا بات ہے؟" انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"جس کام کے شروع میں ہی حالات یہ ہوں۔ بعد میں کیا امکان رہ جاتا ہے؟"

"یہ ضروری نہیں۔ مجھے امید ہے، ہم شکار ضرور کھیلیں گے۔"

ان کی جیپ ہوٹل ابرار کے سامنے رکی۔ تینوں اندر داخل ہوئے اور سیدھے کاؤنٹر کی طرف بڑھے، کاؤنٹر کلرک کی نظر جوں ہی ان

پر پڑی — وہ چونک اُٹھا اور اس کا دایاں ہاتھ کاؤنٹر کے خانے کی طرف رینگ گیا۔

"ہیلو راڈو — تم یہاں ہو — اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا تو فوراً ادھر آ جاتا ، اب تو مجھے یقین ہو چلا ہے ، اس ہوٹل میں ضرور کوئی غلط کام ہوتا ہے ، کیوں کہ راڈو اور درست کام ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں انسپکٹر صاحب — کیا انسان کسی وقت بھی توبہ نہیں کر سکتا۔" راڈو نے منہ بنایا۔

"ہاں ! ضرور — بالکل کر سکتا ہے ، لیکن راڈو ، پھر اس ہوٹل کی شہرت کیوں خراب ہے ؟"

"وہ تو میرے ملازمت کرنے سے پہلے ہی خراب تھی۔" اس نے کہا —

"اگر تم نے توبہ کر لی تھی تو پھر اس خراب شہرت والے ہوٹل میں ملازمت کیوں کی ؟"

"اچھی شہرت کے ہوٹل کے مالکان خراب شہرت آدمیوں کو کب ملازم رکھتے ہیں جناب۔" راڈو نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اوہ ہاں راڈو — تمھاری بات معقول ہے — تمھاری بات پر یقین کرنے کو جی چاہ رہا ہے — تو تم نے مجرمانہ کاموں سے توبہ کر لی ہے اور ایمان دارانہ زندگی گزار رہے ہو — بھئی بہت خوب ،

راڈو کیا میں اس کاؤنٹر کے اندرونی حصے کا جائزہ لے سکتا ہوں ؟"

راڈو زور سے چونکا اور انسپکٹر جمشید کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی — اتنے میں راڈو سنبھل چکا تھا :

"کیوں نہیں جناب ! شوق سے اس طرف تشریف لے آئیے۔" اس نے کہا۔

انسپکٹر جمشید گھوم کر کاؤنٹر کے دوسری طرف پہنچ گئے ، انھوں نے کاؤنٹر کے اندرونی حصے کا جائزہ لیا تو وہاں چند بٹن لگے نظر آئے ، یہ مختلف رنگوں کے تھے —

"یہ بٹن کیسے ہیں راڈو ؟"

"جی — بیروں کو بلانے کے لیے۔"

"شکریہ راڈو — یہ بٹن دبا کر بیرے کو بلاؤ۔" انسپکٹر جمشید نے ایک سُرخ رنگ کے بٹن کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ — یہ بٹن — یہ بٹن تو سر مینیجر صاحب کے لیے ہے ، جب انھیں کسی ضرورت کے لیے بلانا ہوتا ہے تو اس بٹن کو دباتے ہیں۔"

"یوں ہی سہی — سرخ بٹن دباؤ۔" انھوں نے کہا۔

"آخر بات کیا ہے جناب ، آپ کیا چاہتے ہیں۔"

"یہ جاننا کہ مجھے دیکھتے ہی تم نے ان بٹنوں میں سے کون سا بٹن دبایا تھا اور کیوں ؟"

"میں نے ابھی سُرخ بٹن دبایا تھا تاکہ آپ کی آمد کی اطلاع منیجر صاحب کو ہو جائے۔" آخر اس نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔

"لیکن کیوں۔ ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی جب کہ یہاں کوئی مجرمانہ کام نہیں ہو رہا۔"

"م۔ مَیں۔ وُہ۔ جی۔ وُہ۔" وُہ ہکلا کر رہ گیا۔

"اس کا مطلب ہے، تمھارے پاس میرے سوال کا کوئی جواب نہیں، شکریہ راؤ، تم نے معاملہ صاف کر دیا، اس ہوٹل میں کوئی غیر قانونی کام ضرور ہوتا ہے۔ وہ کیا ہے، یہ میں معلوم کر لوں گا۔ اب اپنے منیجر کو بلاؤ۔"

"او کے سر۔" اس نے کہا اور سُرخ بٹن کو دو بار دبایا۔ جلد ہی لفٹ میں سے ایک شخص سُرخ سوٹ پہنے آتا نظر آیا۔ اس کا جسم بھاری بھر کم تھا۔ اس پر نظر پڑتے ہی انسپکٹر جمشید نے پریشان ہو کر کہا:

"اُف اللہ! یہ تو گھوشام ہے۔ آخر یہ کیا ہو رہا ہے۔ کیا اس ہوٹل میں سب جرائم پیشہ لوگ جمع کیے گئے ہیں۔"

"گھوشام۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں جناب۔ یہ تو نیازی صاحب ہیں، کبیر نیازی۔"

"بکواس مت۔ تم نے بھی تو اب اپنا کچھ اور نام رکھا ہوا ہوگا، اسی طرح اس نے گھوشام سے کبیر نیازی رکھ لیا ہوگا، لیکن اس سے

کیا ہوتا ہے، نام یا شکلیں بدل لینے سے انسان خود تو بدل نہیں جاتا۔" انھوں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

اس وقت تک گھوشام نزدیک آگیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اُلجھن صاف دیکھی جا سکتی تھی:

"گھوشام! اگرچہ تم ٹھیک آپ ہی ہو، لیکن میں نے پھر بھی پہچان لیا ہے۔ اس ہوٹل میں کیا ہو رہا ہے؟"

"کچھ بھی تو نہیں جناب۔ ہم یہاں ایمان دارانہ زندگی گزار رہے ہیں۔ جرائم کی زندگی سے توبہ کر لی ہے۔" گھوشام زبردستی مسکرایا۔

"بہت خوب! اس صورت میں میرے اندر داخل ہوتے ہی راؤ کو سُرخ بٹن دبانے کی کیا ضرورت تھی مسٹر گھوشام؟"

"راؤ۔ کون راؤ۔ کیا آپ کا اشارہ کاؤنٹر کلرک اختر بھائی کی طرف ہے؟"

"یہ اختر بھائی نہیں۔ تمھاری طرح راؤ ہے۔ جیسے تم کبیر نیازی نہیں گھوشام ہو۔ اب تو مجھے اس ہوٹل کے مالک سے بھی ملنا ہوگا۔ آیا تھا کس لیے اور چکر کیا چل گیا۔ گھوشام ہوٹل کے مالک کو بلاؤ۔ یا مجھے اس کے پاس لے چلو۔"

"آئیے۔ وہ موجود ہیں۔"

وُہ اس کے پیچھے چلتے ہوئے تیسری منزل کے کمرہ نمبر ۱۱ کے سامنے رُکے۔ دروازے پر روجر گرمانی کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔

"تو ہوٹل کے مالک کا نام روجر گرمانی ہے؟"

"جی ہاں جناب!" یہ کہتے ہوئے اس نے دستک دی۔

"اور پرانا نام کیا ہے؟"

"جی — میں نہیں جانتا — سچ کہتا ہوں — میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا" اس نے فوراً کہا۔

اسی وقت دروازہ کھل گیا — دروازہ لمبے قد کے ایک خوفناک آدمی نے کھولا تھا — اس نے سر پر اُسترا پھروا رکھا تھا، کان میں ایک بڑا چھلا تھا، چہرے سے ہی خوفناک پن ٹپک رہا تھا، اس نے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا:

"تشریف لائیے جناب!"

وہ اندر داخل ہوئے — ایک صوفے میں موٹے جسم کا آدمی دھنسا ہوا تھا — ہونٹوں میں سگار تھا — انسپکٹر جمشید چند لمحے تک اسے گھورتے رہے، آخر بولے:

"تو یہ ہیں مسٹر روجر گرمانی۔"

"جی ہاں — گرمانی صاحب — ان سے ملیے — انسپکٹر جمشید — محکمہ سراغرسانی۔"

"آئیے آئیے جناب!" اس نے اُٹھے بغیر ہاتھ آگے کر دیا، پھر بولا:

"معاف کیجیے گا — اس موٹاپے نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا —

میں مشکل سے اُٹھ سکتا ہوں — اور اسی طرح چلنے پھرنے سے بھی معذور ہوں۔"

"کوئی بات نہیں" وہ بولے، پھر خان رحمان اور پروفیسر داؤد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انھوں نے کہا:

"یہ میرے دوست ہیں خان رحمان اور پروفیسر داؤد۔"

"آپ حضرات سے مل کر بہت خوشی ہوئی — فرمائیے، میں کیا خدمت کر سکتا ہوں — نیازی تم بھی بیٹھ جاؤ۔"

"نیازی نہیں — گھوشام کہیے" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مطلب؟"

"آپ کے ہوٹل کے مینجر اپنے زمانے کے مشہور بلیک میلر گھوشام ہیں — بلکہ صرف یہی نہیں — کاؤنٹر کلرک بھی اختر جانی کی بجائے راٹو ہے — جو جیب کترا تھا۔"

"یہ — یہ میں کیا سن رہا ہوں — یہ دونوں سابقہ جرائم پیشہ ہیں —"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"اُف توبہ — اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا تو کبھی انھیں ملازم نہ رکھتا۔ توبہ توبہ — میں انھیں آج ہی فارغ کیے دیتا ہوں" اس نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"لیکن آپ کس کس کو فارغ کریں گے جناب — اس ہوٹل میں

تو بیرے سے لے کر ہوٹل کے مالک تک جرائم پیشہ لوگ ہیں" انسپکٹر جمشید مسکرائے ۔ خان رحمان اور پروفیسر داؤد چونک اٹھے ۔ چونکا روجر گرمانی بھی ، لیکن پھر اس نے منہ بنا کر کہا :

" آپ کا مطلب ہے ، میں بھی جرائم پیشہ رہا ہوں "

" رہا ہوں ہی نہیں ۔ اب بھی ہیں ۔ اس ہوٹل میں تمام جرائم پیشہ لوگ جمع کر لینا بلا وجہ تو نہیں ہو سکتا ۔ میں اس ہوٹل کی تلاشی لوں گا مسٹر امیں راجا ۔ مشہور و معروف کرائے کے قاتل صاحب "

روجر گرمانی عرف امیں راجا یا تو یہ کر چکا تھا کہ اس سے بلا چلا نہیں جاتا ، یا اس طرح اچھل کر کھڑا ہوا جیسے اس کے پیروں میں اسپرنگ لگے ہوں ۔ اس کے چہرے پر حیرت ، خوف اور غصے کے آثار پھیل گئے ۔

" یہ ۔ یہ نہیں ہو سکتا " وہ غرایا ۔

" کیا نہیں ہو سکتا ؟"

" آپ اس ہوٹل کی تلاشی نہیں لے سکتے "

" کیوں ۔ مجھے کون روکے گا ؟" انھوں نے پرسکون آواز میں کہا ، ایسے میں خان رحمان کا ہاتھ جیب میں رینگ گیا ۔ اور پستول کے دستے پر جم گیا ۔

" یہاں کوئی غیر قانونی کام نہیں ہو رہا "

" تب پھر یہاں سب مجرم حضرات کیوں جمع ہیں ؟"

" یہ سب لوگ ایسے ہیں جنھوں نے جرائم سے توبہ کر لی ، لیکن انہیں کوئی ملازمت دینے کے لیے تیار نہیں تھا ۔ ان میں خود میں بھی شامل تھا ۔ میں نے بھی ملازمت کی بہت کوشش کی ، لیکن نہ مل سکی " اس نے جلے کٹے انداز میں کہا ۔

" اور جب کہیں ملازمت نہ ملی تو تم نے یہ ہوٹل خرید لیا " انسپکٹر جمشید کے لہجے میں گہرا طنز تھا ۔

" ہاں ! یہی بات ہے " وہ بولا ۔

" اور ہوٹل کھولنے کے لیے دولت کہاں سے آ گئی ۔ تم تو جیل سے آئے تھے "

" ہم سب لوگوں نے کچھ نہ کچھ بچا رکھا تھا ۔ اس بچت کو جمع کر کے یہ ہوٹل خرید لیا گیا "

" پھر تو اس ہوٹل میں موجود تمام ملازم حصے دار بن گئے ۔ اس طرح کیا حصہ آتا ہو گا ؟"

" ہم آپس میں گزارہ کر لیتے ہیں ، آپ فکر نہ کریں "

" گویا اس ہوٹل میں کوئی جرم نہیں ہو رہا "

" بالکل نہیں " اس نے فوراً کہا ۔

" تب پھر ۔ تمہیں تلاشی دینے میں کیا اعتراض ہے ۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی "

" ہوٹل کی بدنامی ہو گی ۔ گاہکی ماری جائے گی " روجر بولا ۔

"اوہ ہاں — یہ بات تو ہے، لیکن مجھے افسوس ہے — قانون کو اس سے کوئی غرض نہیں۔"

"کیا آپ کے پاس تلاشی کے وارنٹ ہیں؟"

"نہیں! مجھے تلاشی کے وارنٹ کی ضرورت نہیں ہوتی۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید فون کی طرف بڑھے۔

"نہیں انسپکٹر صاحب — آپ فون نہیں کر سکتے۔" دو جرا ایک قدم آگے بڑھا — ساتھ ہی دروازے میں کھڑے غنڈے کے ہاتھ میں پستول نظر آیا، اس نے بلند آواز میں کہا:

"فون پر سے ہاتھ ہٹا لو انسپکٹر — میں بہت ماہر نشانے باز ہوں۔"

اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی خان رحمان نے ٹریگر دبا دیا، گولی غنڈے کے ہاتھ پر لگی، پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر پروفیسر داؤد کے قدموں میں گرا — وہ فوراً جھکے اور پستول اٹھا لیا:

"اگرچہ میں پستول چلانا اچھی طرح جانتا ہوں، لیکن دوسروں پر فائر کرتے ہوئے ہمیشہ گھبراتا ہوں، کیوں کہ انسانی خون بہتے دیکھنا پسند نہیں کرتا، ان سب باتوں کے باوجود — اگر تم لوگ کوئی حرکت کرو گے تو میں فائر ضرور کروں گا، کیوں کہ اس وقت صورت حال ذرا مختلف ہے۔"

"اور آپ ہی کیا — میں بھی کروں گا — اپنے کپڑوں میں سوراخ تو میں نے کر ہی لیا ہے۔" خان رحمان مسکرائے۔

"بہت خوب — آپ دونوں نے محمود، فاروق اور فرزانہ کی کمی پوری کر دی۔"

انسپکٹر جمشید بولے اور فون کا ریسیور اٹھا لیا — ساتھ ہی دروازے والا غنڈہ ان پر آ رہا — اس سے انھیں یہ امید ہرگز نہیں تھی — خاص طور پر ایسی صورت میں جب کہ اس کے ہاتھ میں گولی لگ چکی تھی — وہ اس کی لپیٹ میں آ گئے اور دھڑام سے گرے، لیکن اٹھنے میں دیر نہ لگائی — خان رحمان اور پروفیسر داؤد فائر نہ کر سکے، کیوں کہ زد میں انسپکٹر جمشید بھی آ سکتے تھے — انھوں نے سنبھلتے ہی دائیں پاؤں سے اس کے پیٹ پر وار کیا — وہ کسی بھینسے کی طرح ڈکرایا اور دہرا ہو گیا — ساتھ ہی ایک زوردار ہاتھ اس کی کمر پر لگا اور وہ منہ کے بل زمین پر آ رہا — یہ لڑائی گھوشام اور انیس راجا نے پُرسکون انداز میں دیکھی — غنڈے کے گرتے ہی انیس راجا بول اٹھا:

"میرا خیال ہے — ہمیں تلاشی دے دینی چاہیے۔"

تین چاقو

لمبا آدمی تیر کی طرح کار کی طرف آیا، اس نے بوکھلا کر ٹائر کا جائزہ لیا، اس میں سے ہوا تیزی سے نکل رہی تھی:

"ارے۔ یہ ٹائر کیسے پھٹ گیا؟" اس کے منہ سے نکلا، پھر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اچانک اس نے کہا:

"میں سمجھ گیا۔ جس نے ٹائر پھاڑا ہے۔ وہ یہیں کہیں موجود ہے اور کسی درخت کی اوٹ میں ہے۔ بھئی بہادر ہو تو سامنے آؤ، بزدلوں کی طرح چھپ کیوں گئے ہو۔"

اب محمود کے لیے چھپے رہنا مشکل تھا۔ وہ یک دم سامنے آ گیا اور بولا:

"میں بزدل نہیں ہوں۔"

"بہت خوب۔ تو ٹائر تم نے پھاڑا ہے!"

"اس میں کیا شک ہے۔" محمود مسکرایا۔ اِدھر فاروق اور فرزانہ ان کی طرف رینگنے لگے۔

"لیکن تم نے ایسا کیوں کیا۔ کیا ضرورت تھی؟"

"میں نے ایسا اس لیے کیا کہ آپ شہر واپس نہ جا سکیں۔" محمود نے جواب دیا۔

"اس خیمے میں دو آدمی موجود تھے۔ وہ کہاں گئے؟"

"شہر۔ ہمارے والد صاحب انہیں شہر لے گئے۔ تاکہ انہیں قانون کے حوالے کر دیا جائے۔ اور اب ہم آپ کو لے چلیں گے۔"

"لیکن کیوں۔" اس نے پُرسکون آواز میں کہا۔

"اس کیوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔"

"تم آخر کون ہو۔ اور یہاں تک کیسے آ گئے؟"

"اپنے والد صاحب کے ساتھ یہاں تک آیا ہوں۔ اس وقت میرے ہاتھ میں ایک ننھا سا چاقو ہے۔ میں نے ٹائر اسی چاقو کی مدد سے پھاڑا ہے، کہنے کا مطلب یہ کہ یہ کوئی معمولی چاقو نہیں ہے۔ بہت ہی خاص قسم کا چاقو ہے۔"

"اوہو۔ تم مجھے دھمکی دے رہے ہو۔"

"کیا کیا جائے۔ مجبوری ہے۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب۔ مجبوری ہے۔ کیسی مجبوری؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"میں اکثر کام دھمکی دے کر ہی نکال لیا کرتا ہوں۔"

"میں سمجھ گیا۔ تم یہاں تنہا نہیں ہو۔ تمہارے ساتھ اور

لوگ بھی ہیں۔ اور اس کا مطلب ہے۔ میں خطرے میں ہوں۔"
ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ لوٹ لگا گیا۔ اس سے پہلے کہ
محمود حرکت میں آتا۔ وہ کسی چھلاوے کی طرح نظروں سے اوجھل
ہو گیا۔

"ارے بھئی یہ کیا۔ دوسروں کو بزدلی کا طعنہ دینے والا
اب خود کیوں بزدل بن گیا۔" محمود ہنسا۔

فاروق اور فرزانہ بھی ٹھٹھک کر رک گئے، کیوں کہ لمبے
آدمی کو چھپتے وہ بھی نہیں دیکھ سکے تھے۔ محمود نے محسوس کیا۔
وہ خطرے میں گھر چکا ہے! چنانچہ اس نے بھی لوٹ لگائی اور
ایک درخت کے پیچھے چلا گیا۔ اب کار کے آس پاس کوئی نہیں
تھا۔ ان تینوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ لمبا آدمی کس درخت کے
پیچھے ہے اور لمبے آدمی کو بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں چھپے
ہیں۔ ادھر آسمان پر چاند نکل آیا تھا اور اس کی روشنی میں
جنگل اور بھی پُر اسرار اور خوفناک لگ رہا تھا۔ وہ اپنے دلوں
کی دھڑکنوں کو بخوبی سن رہے تھے۔ ایسے میں فاروق کو نئی
سوجھی۔ وہ جس درخت کے پیچھے چھپا ہوا تھا، اس پر چڑھنے
لگا۔ اگرچہ درخت اس کے لیے خطرناک ہو سکتا تھا، کیوں کہ ا
پر کسی زہریلے کیڑے سے ملاقات ہو سکتی تھی، لیکن یہ صورت حا
اسے پسند نہیں تھی، وہ جلد از جلد یہ جان لینا چاہتا تھا کہ لمبا آ

کہاں ہے۔ فرزانہ نے اسے روکنے کی اشاروں کے ذریعے کوشش
بھی کی، لیکن اس نے اس کی طرف کوئی دھیان نہ دیا اور اوپر
چڑھتا چلا گیا۔ کافی اونچائی پر پہنچ کر وہ رک گیا اور چاروں
طرف دیکھنے لگا۔ ایسے میں فرزانہ کو نئی سوجھی۔ وہ کار کی طرف
رینگنے لگی۔ نزدیک پہنچ کر انگلی سے اس پر کھٹ کھٹ کی۔
اور پھر پیچھے سرک گئی۔

جلد ہی اس نے لمبے آدمی کو رینگ کر کار کی طرف آتے
دیکھا۔ اس نے بھی رینگنا شروع کیا اور لمبے آدمی کی کمر کی طرف
پہنچ گئی۔ اس نے زمین پر اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں، اور
ایک شاخ اٹھا لی۔ دوسرے ہی لمحے اس نے کہا:

"ہاتھ اوپر اٹھا دو مسٹر۔ ورنہ دوسری دنیا میں پہنچ جاؤ گے۔"

وہ بوکھلا کر مڑا اور اس کا دایاں ہاتھ فرزانہ کی ٹھوڑی
پر پوری طاقت سے لگا، فرزانہ دوسری طرف الٹ گئی۔
اب فاروق رہ نہ سکا۔ اس نے درخت پر سے چھلانگ لگا
دی اور بالکل اس کے نزدیک آ کر گرا۔ گرنے کی آواز نے
لمبے آدمی کو بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔ گھبرا کر جو پلٹا تو
فاروق حملہ کر چکا تھا۔ اس کے سر کی ٹکر اس کے سینے پر
لگی۔ وہ دوسری طرف الٹ گیا، لیکن دوسرا لمحہ فاروق کے
لیے بھی حیران کن تھا، کیوں کہ لمبے آدمی نے اٹھنے میں دیر

نہیں لگائی تھی۔ نہ صرف یہ کہ وہ اُٹھ کھڑا ہوا، بلکہ فاروق پر ہاتھ بھی چھوڑ دیا۔ یہ ہاتھ اس کے ناک پر لگا، آنکھوں کے سامنے اندھیرا پھیل گیا اور وہ ناک پکڑے بیٹھتا چلا گیا۔

محمود اب پیچھے رہ کر کیا کرتا۔ اوٹ سے نکلا اور ایک ایک قدم لمبے آدمی کی طرف اٹھانے لگا۔ اس کے لڑائی کے انداز نے اسے اُلجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ ان کی امید سے زیادہ پھرتیلا ثابت ہو رہا تھا؛ تاہم ڈرنا تو انھوں نے بھی نہیں سیکھا تھا۔ ایک ایک قدم اٹھاتے ہوئے محمود اس کے سامنے جا کھڑا ہوا:

"تو تم ابھی رہتے ہو۔"

"جی ہاں؛ آئیے۔ مجھ سے بھی دو دو ہاتھ کر لیجیے۔ تاکہ فیصلہ ہو جائے، میدان کس کے ہاتھ رہتا ہے۔"

"ضرور کیوں نہیں۔" لمبا آدمی مسکرایا اور اس کی طرف بڑھا۔ اس کی نظریں بُری طرح محمود پر جمی تھیں۔ اچانک وہ اپنی جگہ سے اُچھلا اور محمود پر آیا۔ محمود اگر جھکائی نہ دے جاتا تو اس کے نیچے دب جانا یقینی تھا۔ وہ دھپ سے زمین پر گرا، لیکن اس سے پہلے کہ محمود اس پر وار کر سکتا۔ وہ ایک بار پھر اُٹھ کر کھڑا ہو چکا تھا۔ محمود گھبرا گیا۔ یہ شخص تو ضرورت سے بہت زیادہ تیز طرار تھا۔

"آؤ بھئی۔ ڈر کیوں گئے؟"

"ڈریں میرے دشمن۔" محمود نے کہا اور اس کی طرف جھپٹا۔ لمبے آدمی نے اپنی جگہ سے ہلنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ محمود جوں ہی نزدیک پہنچا، اس نے اپنے لمبے ہاتھ یکدم آگے کر دیے۔ محمود نے دیکھا۔ دونوں ہاتھوں میں دو چاقو تھے۔ وہ ٹھٹک کر رُک گیا:

"آؤ آؤ۔ رک کیوں گئے بھئی؟"

"فکر نہ کرو۔ ہم ان چاقوؤں سے ڈرنے والا نہیں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے بھی تیزی سے جھک کر چاقو نکال لیا۔ اس کے اوٹ لگا جانے کے بعد محمود نے چاقو پھر ایڑی میں رکھ لیا تھا۔

"یہ ننھا سا چاقو تمھارے کیا کام آئے گا۔" وہ ہنسا۔

"بہت کام آئے گا۔ دراصل تم اس چاقو کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔" یہ کہہ کر اس نے چاقو والا ہاتھ لہرایا۔ ادھر لمبے آدمی نے چاقو لہرائے۔ اور جنگل کی فضا پر خوف سا طاری ہو گیا۔

"تین چاقوؤں کی چمک لہرائی اور وہ کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔ فاروق اور فرزانہ نیچے گرے ہوئے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھنے لگے، پھر دونوں نے سوچا۔

خاموش تماشائی بننا تو غلط ہوگا ؛ چنانچہ محمود کی طرف رینگنے لگے۔ اس دوران لمبے آدمی کا ایک چاقو محمود کے چاقو سے ٹکرا گیا۔ دوسرے سے محمود نے جھک کر خود کو بچایا۔ اور ادھر محمود کا چاقو اپنا کام دکھا گیا۔ لمبے آدمی کا چاقو دستے کے پاس سے کٹ گیا تھا۔

"ارے۔ یہ کیا ہوا؟"

"میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا، یہ چاقو کوئی عام چاقو نہیں ہے۔ اب کیا خیال ہے؟" محمود ہنسا۔

"تمھارے لیے تو میں چاقو کے بغیر بھی کافی ہوں۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"تو پھر یہ دو دو چاقو کیوں نکالے تھے؟" محمود بولا۔

"یوں ہی ڈرانے کے لیے، لیکن شاید تم لوگ بھی ڈرنے والی جنس نہیں ہو۔ اب ہمیں فیصلہ کن جنگ لڑنا ہوگی، لیکن اس سے کہیں بہتر ہوگا کہ ہم گفتگو کے ذریعے آپس میں فیصلہ کرلیں۔ لڑائی کا کیا ہے۔ یہ تو ہم بعد میں بھی لڑلیں گے۔" اس نے گویا مشورہ دیا۔

"تم ڈر گئے۔ اپنے چاقو کا انجام دیکھ کر گھبرا گئے۔ اس لیے اب ہتھیار ڈال رہے ہو، خیر کوئی بات نہیں۔"

"نہیں! میں تم لوگوں کے مقابلے میں ہتھیار نہیں ڈال سکتا۔"

اس نے منہ بنایا۔

"تو پھر آؤ۔ پہلے مقابلہ کر لو۔ بات چیت بعد میں کریں گے۔" محمود نے کہا۔

"جیسے تمھاری مرضی۔"

اس نے کہا اور بلا کی رفتار سے آگے بڑھا، لیکن منہ کے بل نیچے آ رہا۔ فاروق نے یک دم اپنی ٹانگ آگے کر دی تھی۔ ساتھ ہی محمود نے اس کی طرف چھلانگ لگائی اور اس بار اس کے اٹھنے سے پہلے اس تک پہنچ گیا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے چاقو والے ہاتھ پر وار کیا۔ لمبا آدمی تڑپ اٹھا۔ چاقو اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ہاتھ سے خون بہنے لگا۔ اٹھتے اٹھتے اس نے اپنا خون آلود ہاتھ چہرے پر مل لیا۔ اس طرح وہ اور بھی بھیانک نظر آنے لگا۔ اس نے تلملا کر محمود پر حملہ کیا۔ اس کا ہاتھ محمود کی کلائی پر لگا۔ چاقو ہاتھ سے نکل گیا، دوسرے ہی لمحے محمود کی ٹھوڑی پر اس زور کا مکا لگا کہ وہ چکرا کر گرا۔

"لو بھئی۔ تم تینوں ہی بے کار ہو گئے۔ اب میں کیا کروں؟" اس نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"انتظار۔" فاروق نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"انتظار۔ کس کا انتظار۔ اور پھر میں کیوں کروں کسی کا انتظار؟"

اس نے جل بھن کر کہا۔

"آدمی اور چاہے کسی کا انتظار نہ کرے، وہ ایک چیز کا نہ چاہتے ہوئے بھی انتظار کرتا ہے۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"کس چیز کا؟" وہ بے دھیانی کے عالم میں بولا۔

"موت کا۔"

"فضول باتیں نہ کرو اور یہ بتاؤ کہ تم کون ہو، تم نے میری کار کا ٹائر کیوں پنکچر کیا۔ اس خیمے میں دو آدمیوں کو موجود ہونا چاہیے تھا، وہ کہاں گئے۔ تم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ تم لوگوں کے لڑائی بھڑائی کے انداز سے یہ بات ثابت ہے کہ تم انہیں چکر دینے کے قابل تھے۔ یہ تو میں تھا جو تمہارے قابو میں نہیں آیا، ورنہ میرا خیال ہے کہ تم بڑے بڑوں کو چکر میں لے آتے ہو گے۔ شروع میں چونکہ میں تمہیں عام قسم کے بچے خیال کرتا رہا، اس لیے خبردار نہیں تھا، بعد میں جب میں نے اندازہ لگا لیا کہ تم گہرے پانی میں ہو، اس وقت میں نے درست انداز سے تمہارا مقابلہ کیا، نتیجہ یہ کہ تم ڈھیر ہو گئے۔ اب میرے سوالات کے جواب دو، ورنہ چٹنی بھی بنا سکتا ہوں تمہاری۔"

"یہ تو آپ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہو گا۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"کیا مطلب۔ کون سے احسان کی بات کر رہے ہو؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"یہی۔ چٹنی والی۔ ہم نے آج تک اپنی چٹنی نہیں چکھی۔"

"تت۔ تم عجیب ہو۔ تمہاری باتیں تم سے بھی عجیب ہیں، تمہارے یہ دو ساتھی تو ایسی باتیں نہیں کرتے۔" اس نے جھلا کر کہا۔

"ان کے حصے کی ایسی باتیں میں جو کر لیتا ہوں۔" فاروق مسکرایا۔

"اِدھر اُدھر کی ہانکنے کی بجائے میری باتوں کے جواب دو۔"

"اچھی بات ہے۔ سنیے۔ میں جواب دیتا ہوں۔" فاروق نے کہنا شروع کیا، لیکن لمبے آدمی نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کر دیا:

"نہیں۔ تم نہیں۔ تم پھر اوٹ پٹانگ باتیں شروع کر دو گے، ان جیسی۔ تم بتاؤ۔" اس نے محمود کی طرف اشارہ کیا۔

"بہت بہتر۔ سنیے۔ اس خیمے کے دو آدمی ہی آپ کو بتا سکتے ہیں کہ وہ کہاں گئے، رہے ہم، ہمارے نام محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں۔ آپ کی کار کا ٹائر صرف اس لیے پنکچر کیا کہ آپ یہاں سے فرار نہ ہو سکیں۔"

"یہ کیا جوابات ہوئے۔" وہ چلا اٹھا۔

"جی ہاں واقعی — اس سے تو بہتر تھا، آپ میرے جوابات سن لیتے۔"
فاروق مسکرایا۔

"بلکہ اس سے بھی بہتر جوابات میرے ہوتے۔" فرزانہ نے شوخ آواز میں کہا۔

"ہاں! اس میں بھی کوئی شک نہیں — بس یہ ذرا الجبرے کے سوالات کے جواب نہیں دے سکتی۔" فاروق مسکرایا۔

"تت — تم تو تینوں ہی عجیب ہو — ارے — تم نے اپنے کیا نام بتائے تھے — محمود، فاروق اور فرزانہ — اوہو — تم تو انسپکٹر جمشید کے بچے ہو۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"لو پھوٹ گیا بھانڈا — اور بڑھ بڑھ کر باتیں بناؤ۔" محمود جل گیا۔

"یہ بھانڈا بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے سے نہیں، اپنے نام بتانے سے پھوٹا ہے — اور نام تم نے بتائے ہیں، اب جب کہ بھانڈا پھوٹ چکا ہے تو اس پر افسوس اور غصہ کیا کرنا، سنا نہیں، جانے والی چیز کا غم نہ کر — اور بھانڈے لے آئیں گے بازار سے جا کر — شکر کا مقام یہ ہے کہ بھانڈا بیچ چوراہے نہیں پھوٹا۔"

"اُف توبہ — کوئی ایسا لفظ ہے — جس کے پیچھے تم نہ پڑ سکو۔" فرزانہ نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"لغت میں دیکھ کر بتا سکتا ہوں۔" فاروق مسکرایا۔

"تم یوں نہیں مانو گے — ٹھہرو — بتاتا ہوں۔" محمود نے کہا اور اس پر جھپٹا —

لمبے آدمی کا منہ حیرت سے کھل گیا — دوسرے ہی لمحے اسے ایک زوردار دھکا لگا — وہ منہ کے بل زمین پر آ گرا — محمود فاروق کی بجائے پورے زور میں اس سے ٹکرایا تھا اور یہ اس کی چال تھی، لمبے آدمی نے اٹھنے میں دیر نہ لگائی — لیکن اتنی دیر میں وہ تینوں اب وہاں نہیں تھے جہاں اس کے گرنے سے پہلے تھے —

اس نے بوکھلا کر چاروں طرف دیکھا اور پھر بلند آواز میں بولا:

"بھئی یہ کیا!!"

ڈراؤنی آواز

"بالکل ٹھیک ہے۔ تلاشی دینے میں حرج ہی کیا ہے۔ جب کہ ہم یہاں کوئی مجرمانہ کام نہیں کر رہے۔" گھوشام بولا۔

"شکریہ — میں بھی یہی کہتا ہوں کہ آپ کو تلاشی دے دینی چاہیے۔ کیوں کہ اگر اس قسم کے چار پانچ غنڈے بھی اس کمرے میں موجود ہوں تو بھی اللہ کی مہربانی سے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ تلاشی شروع کریں۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔"

"تلاشی اس طرح نہیں لی جائے گی۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید فون کی طرف بڑھ گئے۔ اکرام کو ہدایات دیں اور ان کی طرف مڑے۔

"تو پھر کس طرح لی جائے گی؟"

"باقاعدہ تلاشی ہو گی۔ پہلے اس ہوٹل کو پوری طرح گھیرے میں لیا جائے گا۔ اس کے بعد سادہ لباس والے تلاشی لیں گے اور تلاشی کے دوران ہم سب یہیں رہیں گے۔"

"گویا ہم تلاشی لینے والوں کے ساتھ نہیں رہیں گے۔ اس طرح تو تلاشی لینے والے یعنی سادہ لباس والے افیون، چرس اور ہیروئن وغیرہ خود ہی اندر لے آئیں گے اور برآمد کر دکھائیں گے۔" انیس راجا نے اعتراض کیا۔

"ایسا نہیں ہو گا۔"

"کیوں ایسا نہیں ہو گا۔ پولیس کی اکثر کارروائیاں اسی قسم کی ہوتی ہیں۔"

"میرا تعلق محکمہ سراغرسانی سے ہے۔ عام پولیس سے نہیں، دوسرے یہ کہ تلاشی لینے والے پہلے اپنی تلاشی دیں گے۔ یہ کام مجسٹریٹوں کے سامنے ہو گا۔ ہوٹل کا ذمے دار عملہ ان کے سامنے سادہ لباس والوں کی تلاشی لے گا۔ اس کے بعد وہ لوگ اندر قدم رکھیں گے۔ ذمے دار عملہ تمام وقت ان کے ساتھ رہے گا۔ اس صورت میں تو میرا خیال ہے۔ کوئی اعتراض نہیں رہ جاتا۔"

انیس راجا اور گھوشام کے منہ سے ایک لفظ نہ نکل سکا۔ خلا میں گھور کر رہ گئے۔ اور آخر اکرام سادہ لباس والوں کا پورا دستہ لے کر وہاں پہنچ گیا۔ انسپکٹر جمشید نے محمود، فاروق، فرزانہ اور پروفیسر داؤد کو وہاں چھوڑا۔ اور خود دروازے پر آ کر عملے کو ہدایات دیں، ابتدائی کارروائی مکمل کی، پھر خود انیس راجا کے کمرے میں آ گئے۔

"تلاشی شروع ہو چکی ہے۔"

"خوشی کی بات ہے۔ یہاں سے کچھ نہیں ملے گا۔"

"لیکن میرا خیال ہے۔ بہت کچھ ملے گا۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

انھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ غنڈہ ابھی تک بے سدھ پڑا تھا۔ اب وہ بھی اطمینان سے بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے۔

"جمشید۔ تم بھی تلاشی میں حصہ کیوں نہیں لیتے؟" پروفیسر داؤد بے چین ہو کر بولے۔

"جی۔ سادہ لباس والوں کو لایا گیا ہے۔ وہ اس کام میں مجھ سے زیادہ ماہر ہیں۔ وہ جدید ترین آلات کی مدد سے اپنا کام کریں گے۔" انھوں نے جواب دیا۔

"اوہ! تب تو ٹھیک ہے۔" وہ مطمئن انداز میں بولے۔

ٹھیک آدھ گھنٹے بعد اکرام اندر داخل ہوا، اس کے چہرے پر چمک دمک تھی:

"معلوم ہوتا ہے، تم کامیاب رہے؟"

"یس سر۔ ہوٹل میں بھاری مقدار میں ہیروئن موجود ہے۔"

"ویری گڈ۔ اور کچھ؟"

"جی۔ بس اور کچھ نہیں۔"

"خیر۔ یہ بھی بہت بڑی کامیابی ہے۔ ہیروئن کی لعنت ملک میں جس تیزی سے پھیل رہی ہے۔ اس کی وجوہات غالباً اس

قسم کے ہوٹل ہی ہیں۔ کیا تم نے کمرہ نمبر ۹ کی بھی تلاشی لی ہے؟" وہ بولے۔

"کمرہ نمبر ۹؟" اکرام نے چونک کر کہا۔

"ہاں! کمرہ نمبر ۹؟"

"ہم نے صرف عملے کے استعمال والے کمروں کی تلاشی لی ہے۔"

"ہیروئن کہاں سے ملی؟"

"ہوٹل کے گودام میں سے۔"

"ہوں! گویا ابھی مسافروں کے کمروں کی تلاشی نہیں ہوئی۔ اکرام یہ کام اور بھی ضروری ہے۔ خاص طور پر کمرہ نمبر ۹ کو دیکھنا ہے۔"

"جی بہتر۔ ہم ابھی شروع کر دیتے ہیں۔" اکرام نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

"کمرہ نمبر ۹ میں کیا خاص بات ہے؟" انیس راجا نے حیران ہو کر کہا۔

"پہلے تم بتاؤ۔ یہ کمرہ کس کے پاس ہے؟ گھنشام۔ کمرہ نمبر ۹ میں کون ٹھہرا ہوا ہے؟"

"لمبے قد کے ایک صاحب۔ ان کا نام ممتاز عالم ہے۔"

"وہ یہاں کب سے ٹھہرے ہوئے ہیں؟"

"قریب قریب چھ ماہ سے۔"

"ان کے بارے میں کوئی اور بات جو تم بتا سکو۔" وہ بولے۔

"بہت اچھے گاہک ہیں ، ہوٹل کا بل ساتھ ساتھ ادا کرتے رہتے ہیں - آپ کو ان کے بارے میں کیا اطلاع ملی ہے؟"

"اس کمرے میں ایک ایسا شخص رہتا ہے - جو خفیہ طور پر لوگوں کو ملازم رکھتا ہے اور پھر ان سے مجرمانہ کام لیتا ہے۔"

"یہ - یہ ہمارے لیے ایک بالکل نئی اطلاع ہے۔" انیس راجا نے گھبرا کر کہا۔

"ہو سکتا ہے - میں نے یہ تو نہیں کہا کہ لمبا آدمی بھی تم لوگوں کا اپنا ساتھی ہے - تمہارے لیے تو پکڑی گئی ہیروئن ہی کافی ہے۔" انھوں نے مسکرا کر جواب دیا - انیس راجا اور محمد شام کے منہ لٹک گئے - ایسے میں انسپکٹر جمشید بولے :

"لیکن معاملہ یہاں پر ہی ختم نہیں ہو جائے گا۔"

"کیا مطلب؟" انیس راجا چونکا۔

"ابھی تو تم لوگوں سے شاندار قسم کی پوچھ گچھ ہوگی - تم ہیروئن کہاں سے حاصل کرتے ہو ، کہاں کہاں پہنچاتے ہو - کون کون لوگ اس کاروبار میں تمہارے ساتھی ہیں - اتنے سستے تو نہیں چھوٹ جاؤ گے - تم لوگوں نے قوم کے نہ جانے کتنے نوجوانوں کو برباد کیا ہے - ان کی رگوں میں زہر اُتارا ہے - کل اگر دشمن ملک سے جنگ چھڑ جائے تو کیا خیال ہے - ہیروئن کا نشکار نوجوان ملک اور قوم کے لیے کچھ کر سکیں گے - ہرگز نہیں -

لہٰذا یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ ملک میں کوئی جرم اس سے بڑا ہو ہی نہیں سکتا - پوری قوم کو تباہ کر دینے کے برابر ہے ، چنانچہ میں بھی تمہاری ایک ایک رگ سے خون نچوڑوں گا اور ایک ایک بات معلوم کروں گا - تمہارے خون کا ایک ایک قطرہ چلّا اُٹھے گا -" یہ کہتے کہتے انسپکٹر جمشید کا چہرہ آگ کی مانند سُرخ ہو گیا - خان رحمان اور پروفیسر داؤد نے بوکھلا کر ان کی طرف دیکھا - اس قدر غصے میں انھیں پہلے کبھی شاید ہی دیکھا گیا ہوگا -

اس بار اکرام کی واپسی میں پندرہ منٹ لگے :

"باقی کمروں کی تلاشی کا کام تو ابھی جاری ہے سر - کمرہ نمبر ۹ سے جو کچھ ملا ہے ، وہ حاضر ہے۔" یہ کہہ کر اس نے کچھ چیزیں میز پر اُلٹ دیں - یہ سب کی سب چیزیں ایسی تھیں جو انھوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں - ہاں - ان میں چند کاغذات بھی تھے۔

"یہ - کیا چیزیں ہیں اکرام؟"

"یہ چیزیں ہماری سمجھ میں نہیں آئیں سر۔" اس نے جواب دیا۔

"پروفیسر صاحب - آپ دیکھیں انھیں - میں ان کاغذات کو دیکھ لوں۔"

"اچھا۔" پروفیسر داؤد بولے اور ان چیزوں پر جھک گئے۔

"کاغذات کا جائزہ میں لے چکا ہوں سر - یہ کمرے میں موجود ایک بریف کیس میں تھے - بریف کیس دوہری دیوار کا بنا ہوا

تھا۔ دونوں دیواروں کے درمیان ان کاغذات کو چھپا کر رکھا گیا تھا، ان کاغذات کی رو سے کمرہ نمبر ۴ کا مسافر ہمارے دشمن ملک وٹاس کا باشندہ ہے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"صرف یہی نہیں۔ وہ اس ملک کا کوئی خاص آدمی ہے۔ نام ہے بوٹاف۔"

"بوٹاف!" انسپکٹر جمشید اچھل پڑے۔ ان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں، پھر وہ چلا اٹھے:

"تم ان سب کو اپنے قبضے میں لے لو۔ خان رحمان پروفیسر صاحب۔ ہم محمود، فاروق اور فرزانہ کو خطرے میں چھوڑ آئے ہیں۔ آئیے جلدی کریں۔"

"اور ان چیزوں کا کیا کیا جائے جمشید؟" پروفیسر داؤد گھبرا گئے۔

"سمیٹ لیں۔ راستے میں جائزہ لیتے رہیے گا۔" انھوں نے فوراً کہا۔

ایک منٹ بعد وہ جیپ میں بیٹھے جنگل کی طرف اڑے جا رہے تھے۔

"خیر تو ہے جمشید۔ یہ بوٹاف کیا شے ہے؟"

"سنا ہے، بہت خطرناک ہے۔ نادو اور حامد شامی کی

طرف سے کوئی جواب نہ ملنے پر ظاہر ہے، اس نے جنگل کا ہی رخ کیا ہوگا۔ وہاں محمود، فاروق اور فرزانہ اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ اس سے ایک عام آدمی خیال کرتے ہوئے ٹکرائیں گے۔ اور مار کھا جائیں گے۔ مجھے بس یہی فکر ہے۔"

"اللہ مالک ہے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ بھی اتنے اناڑی نہیں ہیں۔"

"پروفیسر صاحب۔ آپ کا جائزہ مکمل ہوا یا نہیں؟"

"ہاں جمشید۔ کسی حد تک۔ یہ آلات عجیب و غریب ہیں۔ دو ایک کے بارے میں تو یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ٹرانسمیٹر قسم کی چیزیں ہیں۔ پیغامات ارسال کرنے اور وصول کرنے کے لیے۔ دو آلات ایسے ہیں جو ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آسکے، ان کا باقاعدہ معائنہ کرنا ہوگا۔ ان میں سے ایک آلہ ایک خاص قسم کی گیس خارج کرتا ہے۔ میں اسے سونگھنے کی جرأت نہیں کر سکا۔ نہ جانے وہ کس قسم کی گیس ہے۔ اس کا بھی تجزیہ کرنا ہوگا۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔ آپ انھیں جیپ کے خانے میں رکھ دیں، واپسی پر چیک کر لیں گے۔ پہلے آئیں ذرا بوٹاف سے ملاقات کر لوں۔"

"لیکن وہ تو پہلے ہی ان تینوں سے ٹکرا چکا ہوگا۔"

"ہاں شاید — خیر دیکھا جائے گا" انسپکٹر جمشید نے کندھے اچکائے —

اور پھر وہ ٹون پور کی سڑک سے مشرق کی سمت میں مڑ گئے — خیمے کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی انھوں نے جیپ روک لی اور پیدل آگے بڑھنے لگے —

چاند کی روشنی میں جنگل ہولناک سماں پیش کر رہا تھا — اچانک انھوں نے ایک عجیب آواز سنی — آواز اس قدر ڈراؤنی تھی کہ ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے — انھوں نے ایسی آواز اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔

○

"اُف خدا — یہ کیسی آواز ہے" پروفیسر داؤد نے کانپ کر کہا —

"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ کسی درندے کی ہو — اس وقت اگر ہمارے ساتھ منور علی خان ہوتے تو فوراً بتا دیتے" خان رحمان بولے —

"اس میں کوئی شک نہیں — آواز کسی درندے کی ہے، لیکن نہ تو یہ شیر کی ہے — نہ گینڈے کی — ہاتھی کی بھی نہیں ہو

سکتی — تب پھر — کیا اس جنگل میں کوئی ایسا درندہ آ گھسا ہے، جس کی آواز بھی ابھی تک انسانوں نے نہیں سنی اور وہی انسانوں کو ہلاک کر رہا ہے" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"جمشید — ہمیں پہلے محمود، فاروق اور فرزانہ کی فکر کرنی چاہیے — ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے ہم اَن گنت خطرات میں گھرنے والے ہیں" خان رحمان جلدی جلدی بولے۔

"ارے باپ رے" پروفیسر داؤد نے گھبرا کر کہا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، پریشانی ہمیں اور پریشان کرے گی — آئیے دیکھتے ہیں، کیا چکر ہے" انسپکٹر جمشید پُرسکون آواز میں بولے۔

تینوں درختوں کی اوٹ لیتے ہوئے آگے بڑھنے لگے — یہاں تک خیمے کے پاس پہنچ گئے — خیمہ جوں کا توں موجود تھا، لیکن اس کے آس پاس محمود، فاروق اور فرزانہ نہیں تھے —

"وہ — وہ تو یہاں نظر نہیں آ رہے" انسپکٹر جمشید بولے۔

"انھیں آواز دو جمشید — جلدی کرو" پروفیسر داؤد بولے۔

"لیکن آواز دینا تو خطرناک ہوگا پروفیسر صاحب" خان رحمان بول پڑے۔

"نہیں خان رحمان — خطرناک نہیں ہوگا" یہ کہہ کر انھوں

نے مُنہ اُوپر کیا اور اُلّو کی آواز نکالی۔ جنگل میں اُلّو کی آواز گونج کر رہ گئی۔ جواب میں ایک بار پھر وہی لرزہ خیز آواز گونجی۔ انھوں نے اپنے جسموں میں تھرتھری سی محسوس کی۔

"جمشید۔ جواب میں اُلّو کی آواز سنائی نہیں دی۔" پروفیسر داؤد بڑبڑائے۔

"ہاں پروفیسر صاحب، لیکن یہ کوئی ایسی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ نہ جانے وہ کن حالات کا شکار ہوں۔ مُنہ سے آواز نکالنا ان کے لیے ممکن بھی ہے یا نہیں۔" یہ کہہ کر انھوں نے پھر مُنہ سے اُلّو کی آواز نکالی۔ جنگل میں آواز پوری طرح گونجی، لیکن جواب اس بار بھی نہ ملا۔

اب تو انسپکٹر جمشید بھی پریشان ہوئے بغیر نہ رہ سکے،

"ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے وہ جنگل میں گھس گئے۔ اب ہمارے لیے بھی اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ جنگل کا رُخ کریں۔ پروفیسر صاحب۔ میں آپ کو جنگل میں اپنے ساتھ لے جانا نہیں چاہتا۔ آپ جیپ میں واپس شہر چلے جائیں۔" انھوں نے روانی کے عالم میں کہا۔

"یہ کس طرح ہو سکتا ہے جمشید۔ ہم تو اکٹھے شکار کھیلنے آئے تھے۔ اب الگ کس طرح ہو جائیں۔"

"جنگل میں کوئی خوفناک قسم کا خطرہ پیش آنے کی اُمید ہے،

اس لیے کہہ رہا ہوں۔" وہ بولے۔

"تو کیا ہوا۔ اس سے پہلے کیا ہم خوفناک قسم کے خطرات میں مبتلا نہیں ہوتے رہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"تو کیا آپ ہمارے ساتھ چلیں گے؟"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"اچھا تو آئیے۔ بسم اللہ کریں۔ دیر کرنا مناسب نہیں۔"

تینوں تیز تیز قدم اٹھاتے جنگل میں داخل ہو گئے۔ اب ان کے ہاتھوں میں پستول تھے اور وہ چاروں طرف دیکھتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔

"حیرت ہے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے یہ کیا کیا۔ انھیں ہمارے بغیر جنگل میں نہیں گھسنا چاہیے تھا۔"

"ہو سکتا ہے۔ وہ مجبور ہو گئے ہوں۔ بوٹاف کے بارے میں انھیں بھلا کیا معلوم۔ اسے ایک عام آدمی خیال کر بیٹھے ہوں گے۔"

"جنگل کے درخت کس قدر عجیب ہیں۔ میں نے ایسے درخت بھی آج تک نہیں دیکھے۔" خان رحمان بڑبڑائے۔

"اب تو قدم قدم پر منور علی خان کی یاد ستانے لگی ہے۔ کاش میں نے یہ پروگرام نہ بنایا ہوتا۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"نہیں پروفیسر صاحب۔ آپ کے پروگرام سے ملک اور قوم کو بے تحاشا فائدہ ہوا ہے۔ ہیروئن کی کتنی بڑی مقدار پکڑی گئی، اور ابھی نہ جانے ہم کتنے اڈوں پر چھاپے ماریں گے۔ اب اس مہم کا چارج میں خود سنبھالوں گا۔ تاکہ کوئی بھی مجرم رشوت کا سہارا لے کر بچنے نہ پائے۔"

"اچھا فیصلہ ہے، لیکن پہلے اس جنگل سے نبٹ لو۔"

"جنگل کا راز ان شاء اللہ معلوم کر کے رہیں گے، فکر نہ کریں۔" وہ بولے۔

وہ درختوں کے درمیان سے گزرتے رہے۔ انسپکٹر جمشید کے دوسرے ہاتھ میں ایک طاقت ور ٹارچ تھی۔ اس کی روشنی میں وہ کیڑے مکوڑوں اور دوسرے جانوروں سے بچ کر گزر رہے تھے۔

"جنگل میں ابھی تک کوئی ہرن نظر نہیں آیا اور نہ مرغابیاں۔" خان رحمان بڑبڑائے۔

"مرغابیاں تو خیر جھیل کے آس پاس ہی ہوں گی۔ باقی رہ گئے ہرن، تو رات کے وقت انہیں جنگل میں گھومنے کی کیا ضرورت۔" انسپکٹر جمشید مسکرا کر بولے۔

"لیکن ہم تو ان کے لیے رات کو ہی گھوم رہے ہیں۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"ہمارا کیا ہے۔ ہم ٹھہرے سر پھرے۔"

"اور ہم سے بھی دو ہاتھ آگے سر پھرے محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں۔ جن کا اب تک جنگل میں کوئی پتا نہیں۔" خان رحمان نے ہنس کر کہا۔

"ارے۔ یہ کیا؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

انہیں اس وقت دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی تھی —

سزا واپس لے لو

انھوں نے بھئی یہ کیا کا کوئی جواب نہ دیا — تینوں اس وقت ایک ہی درخت کے پیچھے چھپے ہوئے تھے — اور لمبے آدمی کو صاف دیکھ رہے تھے، جب کہ لمبا آدمی ان کے چھپنے کی جگہ سے بالکل بے خبر تھا :

"تم تو میرے بھی اُستاد نکلے — چلو سامنے آؤ — مَیں تمھیں کچھ نہیں کہوں گا — بلکہ تمھیں تمھارے گھر تک چھوڑ آؤں گا — کہیں تمھارے والد صاحب تمھیں تلاش نہ کرتے پھریں۔" اس کا انداز مذاق اڑانے والا تھا — انھوں نے اب بھی کوئی جواب نہ دیا — پُر سکون انداز میں دیکھتے رہے —

"بھئی یوں تو مزا نہیں آئے گا، مردانہ وار سامنے آؤ — مَیں تم لوگوں کو کھا تو نہیں جاؤں گا — مَیں تو بس اتنا جاننا چاہتا ہوں، نیچے والے دونوں آدمیوں کا کیا بنا — وُہ کہاں چلے گئے اور تم لوگ یہاں کس طرح پہنچ گئے — اور بس — اس کے بعد تم آزاد ہو

گے۔"

وُہ خاموش ہی رہے — آخر تنگ آ کر لمبے آدمی نے کہا :

"تو میری طرف سے تم تینوں جاؤ جہنم میں —" یہ کہ کر اس نے پاؤں زمین پر پٹخے اور پھر جنگل کی طرف چل پڑا — اس کے قدم تیزی سے اُٹھ رہے تھے — انھوں نے ایک دوسرے کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا، جیسے کہ رہے ہوں، اب کیا کریں —

"آؤ — تعاقب کریں :" محمود نے اشاروں میں کہا اور رکوع کی حالت میں اس کے پیچھے نکل کھڑا ہوا — فاروق اور فرزانہ نے اس کا ساتھ دیا، محمود ہر ممکن احتیاط کر رہا تھا کہ کسی جگہ بھی بالکل سیدھا نہ کھڑا ہو، کیوں کہ لمبا آدمی اچانک پیچھے مڑ کر دیکھ سکتا تھا — اور وُہ ایک بار پھر اس کی نظروں میں آ سکتے تھے —

لمبا آدمی اس وقت تک گھنے جنگل میں داخل ہو چکا تھا، یعنی وہی جنگل — جس میں داخلہ خطرناک سمجھا جانے لگا تھا،

"فاروق — شاکی — تم کہاں ہو — میں تم دونوں کی کھال اُدھیڑ دوں گا —" اس نے بلند آواز میں کہا، پھر چونک کر بولا :

"اوہ — تم ضرور جھیل کی طرف گئے ہو — کسی مرغابی کے لالچ میں، لیکن تمھیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا — یہ فرض سے

غداری ہے۔ میں تم کو سزا ضرور دوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ اور بھی تیزی سے چلنے لگا۔ محمود لمبے آدمی کو بتا چکا تھا کہ ان کے والد صاحب نیچے والے دونوں آدمیوں کو قانون کے حوالے کرنے کے لیے شہر لے گئے ہیں، لیکن شاید اسے یقین نہیں آیا تھا۔

محمود، فاروق اور فرزانہ درختوں کی اوٹ لیتے اس کے پیچھے قدم اٹھاتے رہے۔ وہ یہ تک بھول گئے تھے کہ ان کے والد نے انھیں صرف نیچے کی نگرانی کے لیے وہاں چھوڑا تھا اور ہرگز یہ نہیں کہا تھا کہ اگر کوئی جنگل میں داخل ہو جائے تو وہ بھی اس کا تعاقب کرنے جنگل میں چلے جائیں۔ اس وقت تو ان پر جوش کا ایک عالم طاری تھا۔

اچانک انھوں نے ایک لرزہ خیز چیخ سنی۔ وہ کانپ اٹھے اور اٹھتے قدم رک گئے۔ لیکن لمبا آدمی اسی طرح چلتا رہا، گویا اسے اس آواز کا کوئی فکر نہیں تھا۔ چند منٹ گزر گئے۔ اچانک انھوں نے لمبے آدمی کو چونک کر رکتے دیکھا۔ اس کی نظریں سامنے اٹھی ہوئی تھیں۔ انھوں نے بھی ادھر دیکھا اور پھر رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔ ان کے سامنے بن مانس نما کوئی مخلوق کھڑی تھی، لیکن بن مانس سے کہیں زیادہ اس کا قد تھا اور پھیلاؤ تو خدا کی پناہ۔ کسی ہاتھی سے بھی زیادہ تھا۔ اس کی

سُرخ انگارہ آنکھیں لمبے آدمی پر جمی تھیں۔ پورے جسم پر لمبے بالوں والی بالکل سیاہ کھال تھی۔ ہاتھوں اور پیروں کے ناخن بہت لمبے لمبے تھے۔ یوں لگتا تھا، جیسے فولاد کے بنا کر لگا دیے گئے ہوں۔

اُس کا جائزہ لیتے ہی انھیں اپنے دل سینے میں اچھلتے محسوس ہوئے۔ اچانک انھیں ان شکاریوں کا خیال آیا۔ جن کی لاشیں جنگل کے باہر پڑی ملی تھیں۔ تت۔ تو کیا وہ اس بلا کو دیکھ کر ہی خوف سے مر گئے تھے۔ شاید ایسا ہی تھا، لیکن اس کا مطلب تو یہ تھا کہ خود ان میں اُن شکاریوں سے زیادہ حوصلہ ہے۔ نہیں، انھوں نے ضرور ہاتھ پاؤں مارے ہوں گے، بھاگ نکلنے کی یا اس بلا کا مقابلہ کرنے کی کوشش بھی کی ہو گی۔ ان شکاریوں کے پاس رائفلیں بھی ہوں گی —
مخلوق کی نظر ابھی ان پر نہیں پڑی تھی۔ لہٰذا وہ درختوں کے پیچھے چھپ گئے۔ ایسے میں انھوں نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا۔ لمبا آدمی اس بلا کی طرف بڑھا اور پیار بھرے انداز میں بولا:

"میرے ماتی۔ یہاں دو شیطان۔ بلکہ تین ننھے شیطان چلے آئے ہیں۔ انھیں مار کر باہر پھینک آؤ۔ تاکہ ان کی لاشیں آرام سے مل سکیں۔"

"اوہ کے پاس۔" بن مانس یا مانٹی نے عجیب سی آواز میں کہا۔

وہ اسے بولتے دیکھ کر سکتے کے عالم میں رہ گئے۔

یہ ان کی زندگی کا حیرت انگیز ترین لمحہ تھا۔ عین اسی وقت مانٹی کے قدم ان درختوں کی طرف اُٹھنے لگے۔ جن کے پیچھے وُہ چھپے ہوئے تھے۔ یہ صورتِ حال خطرناک تھی، ان کے پاس تو کوئی ہتھیار بھی نہیں تھا، چنانچہ محمود چلّایا:

"فاروق ۔ فرزانہ ۔ بھاگو ۔ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھنا۔"

وُہ مڑے اور سر پر پیر رکھ کر بھاگے۔ اس قدر تیز کہ کیا کبھی بھاگے ہوں گے، اور سچ تو یہ ہے کہ آج وُہ بزدلوں کی طرح بھاگے تھے۔

محمود کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے انھوں نے پیچھے مڑ کر دیکھنے کی جرأت بھی نہیں کی، کیوں کہ مُڑ کر دیکھنے میں بھی چند سیکنڈ تو ضرور ضائع ہوتے۔

وُہ جنگل میں خیمے کی طرف دوڑے آ رہے تھے کہ اچانک ایک آواز نے انہیں رُکنے پر مجبور کر دیا۔

"کیا مصیبت آ گئی ہے بھئی۔ کسی بھوت کو تو نہیں دیکھ لیا تم نے۔"

ان کے قدم رک گئے۔ سامنے ان کے والد، خان رحمان اور پروفیسر داؤد کھڑے تھے۔

"بھبھوت ۔ کوئی ایسا ویسا بھوت۔" فاروق ہکلایا۔

"تو جنگل میں کوئی بھوت موجود ہے۔ اور یہ تم بھوتوں سے ڈرنے کب سے لگے۔"

"بھوت نہیں ابّا جان ۔ بن مانس۔"

"بن مانس ۔ بن مانس سے ڈر کر بھاگے ہو تم ۔ حیرت ہے، میں تمہیں اتنا بزدل خیال نہیں کرتا تھا۔"

"آپ نے اس بن مانس کو نہیں دیکھا ابّا جان ۔ اُف اللہ۔ وُہ عام بن مانس سے شاید تین یا چار گنا بڑا ہے ۔ اور باتیں بھی کرتا ہے۔"

"کیا کہا ۔ باتیں بھی کرتا ہے ۔ تب تم نے کوئی خواب دیکھا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی نہیں ۔ ہم تینوں ایک ہی خواب کس طرح دیکھ سکتے ہیں، اور پھر ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ۔ اب آپ آ گئے ہیں ۔ چل کر خود دیکھ لیں۔"

"لیکن تم تو بھاگے جا رہے ہو۔" خان رحمان مسکرائے۔

"اب نہیں بھاگیں گے ۔ واقعی ہمیں بھاگنا نہیں چاہیے تھا۔" محمود نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔

"تو پھر سن لو، تمہیں اس بزدلی کی سزا ضرور ملے گی ۔ اور اسی وقت ملے گی۔" انسپکٹر جمشید نے بُرا سا منہ بنایا۔

"آپ — آپ تو ابا جان — سزا دینے کے معاملے میں اتنے سخت نہیں ہیں۔"

"تم نے بھی تو آج سے پہلے بزدلی نہیں دکھائی تھی۔" وہ بولے۔

"ہم — شاید اسے دیکھ کر حواس باختہ ہو گئے تھے۔"

"سزا یہ ہے کہ اب اس کا مقابلہ تم ہی کرو گے — یہ پستول بھی لے لو خان رحمان — تم بھی اپنا پستول انھیں دے دو — اور پروفیسر صاحب آپ بھی — یہ ہمارے آگے آگے چلیں گے اور اس بن مانس کا مقابلہ کریں گے۔"

"جمشید — کہیں یہ سزا دے کر تم غلطی تو نہیں کر رہے۔" پروفیسر داؤد بول اٹھے۔

"کیسی غلطی پروفیسر صاحب؟"

"آخر شکاری لوگوں کی لاشیں کیوں ملیں — ان کے جسموں پر تو زخموں کے نشانات بھی نہیں تھے — اگر وہ اس بن مانس کے ہتھے چڑھ گئے تھے تو ان کے جسموں پر زخموں کے نشانات ہونے چاہییں تھے — اس میں ضرور کوئی راز ہے — اپنی سزا واپس لے لو جمشید — ہم مل کر اس بن مانس کا مقابلہ کریں گے۔"

"سزا واپس لے لوں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں جمشید — میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے — میں سزا واپس لیتا ہوں۔" انھوں نے گویا اعلان کیا۔

"ہمیں افسوس ہے ابا جان — ہم سزا واپس کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں — اب اس بن مانس کے بچے سے ہم ہی مقابلہ کریں گے۔"

"کیا کہہ رہے ہو محمود — بن مانس کا بچہ — وہ تو بن مانسوں کا باپ نظر آتا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"ہر بن مانس کسی بن مانس کا بچہ ہی ہوتا ہے، چاہے وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔" فاروق مسکرایا۔

"مجھے بھی محمود کا فیصلہ پسند آیا — مقابلہ ہم ہی کریں گے۔"

"اور میں بھی پیچھے نہیں ہٹوں گا۔"

"بھئی — اس کی ضرورت نہیں — حالات اور موقع محل دیکھ کر قدم اٹھایا جائے گا — آؤ آگے بڑھیں۔"

ان کے قدم اٹھنے لگے — یہاں تک کہ اپنے اندازے کے مطابق وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں بن مانس کو دیکھا تھا۔

"ارے یہاں تو نہ مانس ہے — نہ لمبے قد والا۔"

"مانس — لمبے قد والا — یہ تم کیا کہہ رہے ہو محمود؟" خان رحمان حیران ہو کر بولے۔

"نیچے والوں کی خبر لینے ایک لمبے قد والا آیا تھا ہماری اس

سے جھڑپ ہوئی تھی ، پھر وہ جنگل میں گھس گیا۔ ہم نے اس کا تعاقب کیا۔ بن مانس کو اس نے مائی کہ کر پکارا تھا اور مائی نے اسے باس کہا تھا۔"

"عجیب "بن" مانس ہے۔ جو بولتا بھی ہے اور ایک انسان کو اپنا باس بھی کہتا ہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"لیکن وہ گیا کہاں؟" خان رحمان نے چاروں طرف دیکھا۔

"خدا جانے کہاں چلا گیا۔ ہم نے تو اسے یہیں دیکھا تھا۔"

"بھئی کہیں تم نے خواب ہی تو نہیں دیکھ لیا؟" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"جی نہیں انکل۔ یہاں اس کے قدموں کے نشانات موجود ہوں گے۔" محمود بولا۔

"اوہ ہاں۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور ٹارچ نکال کر زمین کا جائزہ لینے لگے۔ ایک آدمی کے قدموں کے نشانات انھیں صاف نظر آئے۔ ان کے پیروں کے نشانات بھی موجود تھے ، لیکن کسی بن مانس کے قدموں کے نشانات کہیں بھی نہیں تھے ۔

"یہ کیا بھئی۔ بن مانس کے پیروں کا تو یہاں ایک نشان بھی نہیں۔"

"اوہ۔ یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" محمود نے کھوئے کھوئے

لہجے میں کہا۔

"ایسے کہ تم نے خود خواب دیکھا تھا۔ آؤ آگے چلیں۔ نہیں کم از کم اس جھیل تک پہنچ جانا چاہیے۔ تاکہ چند مرغابیاں تو شکار کر ہی سکیں۔ ویسے مجھے تو یہ جنگل ہرنوں اور مرغابیوں سے تو گیا۔ ہر قسم کے جانوروں سے خالی نظر آ رہا ہے۔ کہیں کوئی آواز نہیں ، آہٹ نہیں۔"

"رات کا وقت ہے نا ابا جان۔ اپنے اپنے بھٹوں میں سو رہے ہوں گے۔" فرزانہ نے کہا۔

"آؤ آؤ۔ دیکھتے ہیں۔"

وہ آگے بڑھنے لگے۔

"یار محمود۔ کیا واقعی ہم نے خواب دیکھا تھا؟"

"شاید۔ بعض اوقات جاگتے میں بھی انسان خواب دیکھ لیتا ہے ، وہ اسی قسم کا کوئی خواب رہا ہو گا۔" محمود نے منہ بنایا۔

"میں تسلیم نہیں کر رہا۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"چھوڑو بھئی۔ مجھے اس بلے آدمی کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ۔ اس کا حلیہ بھی اور تمھاری اس سے کیا بات چیت ہوئی۔"

محمود تفصیل سنانے لگا۔ یہاں تک کہ وہ جھیل کنارے پہنچ گئے۔ جھیل کافی بڑی تھی ، لیکن اس کی سطح پر ایک بھی مرغابی نہیں تیر رہی تھی۔

"لو بھئی کر لو۔ مُرغابیوں کا شکار۔ یہ جنگل تو بالکل خالی پڑا ہے۔ شاید شکاریوں نے اسے خالی کر دیا۔"

"لیکن پھر یہ جنگل شکاریوں کے پیچھے کیوں پڑ گیا؟" محمود بولا۔

"اتفاقاً۔" فاروق بولا۔

اچانک انھوں نے اپنے پیچھے ایک دھمک سی سُنی۔ وہ تیزی سے مُڑے اور سناٹے میں آ گئے۔ بن مانس ان سے صرف چند قدم پر آ چکا تھا۔

○

"دیکھ لیجیے ابّا جان۔ ہم نے خواب نہیں دیکھا تھا۔" محمود نے پُراسرار آواز میں کہا۔

اتنی دیر میں انسپکٹر جمشید جیب سے پستول نکال چکے تھے۔

"تم نے اچھا کیا تھا۔ محمود۔" وہ مشینی انداز میں بولے۔ نظریں بدستور بن مانس پر جمی تھیں۔

"شکریہ ابّا جان۔ لیکن ہم نے کیا اچھا کیا تھا؟"

"اس سے مقابلہ کرنے کی بجائے بھاگ کر۔ تمھیں بھاگ ہی جانا چاہیے تھا۔"

"بھاگ ہی جانا چاہیے تھا۔ یہ آپ نے کیا کہا ابّا جان۔ آپ نے تو آج تک ایسی بات نہیں کہی۔"

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں بھئی۔ یہ۔ یہ بن مانس نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا کہا۔ یہ بن مانس نہیں ہے۔ اگر یہ بن مانس نہیں ہے تو پھر بن مانس کسے کہتے ہیں؟"

"بن مانس اتنا بڑا نہیں ہوتا۔ آج تک کسی جنگل میں اتنا بڑا بن مانس نہیں دیکھا گیا، لہٰذا میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ بن مانس نہیں ہے۔"

"تب پھر۔ یہ کیا بلا ہے؟" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

اسی وقت بن مانس نے ان کی طرف قدم اٹھایا۔ ساتھ ہی انسپکٹر جمشید کا ہاتھ حرکت میں آیا۔ فائر کی آواز نے جنگل کے سناٹے کو چیر ڈالا۔ گولی بن مانس کے سینے پر لگی، لیکن وہ لڑکھڑایا تک نہیں، بلکہ بدستور ان کی طرف قدم اُٹھاتا رہا۔

اب تو وہ بدحواس ہو کر پیچھے ہٹے، لیکن پیچھے بھی کب تک ہٹتے۔ ان کے پیچھے تو جھیل تھی۔ ایک بڑی جھیل۔

صفایا

"آگے بن مانس، پیچھے چیل — اب کیا کریں ابا جان؟" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"درختوں پر چڑھ جاؤ — صرف میں اس سے مقابلے کے لیے نیچے رہوں گا۔" انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

"لیکن ابا جان — آپ نے تو اس سے مقابلے کے لیے ہمیں مقرر کیا تھا۔"

"نہیں بھئی — میں نے اپنے الفاظ واپس لے لیے تھے — اور یہ بہت اچھی بات ہوئی۔" وہ بولے۔

"گویا آپ چاہتے ہیں، ہم اوپر چڑھ جائیں اور آپ تنہا اس سے لڑیں۔"

"ہاں! یہی کرنا ہوگا۔" وہ بولے۔

"کم از کم میں تو درخت پر نہیں چڑھوں گا — اس کے مقابلے میں تمھارا ساتھ دوں گا۔" خان رحمان نے کہا۔

"نہیں خان رحمان — اس وقت وہی کرو، جو میں کہہ رہا ہوں۔" ان کے لہجے میں سختی آگئی۔

"تو کیا ابا جان — ہم پروفیسر انکل کو بھی درخت پر چڑھا لیں؟"

"ہاں! میرا اندازہ ہے کہ یہ بن مانس نہیں ہے — اس لیے درختوں پر نہیں چڑھ سکے گا۔" وہ بولے۔

"اگر یہ بن مانس نہیں ہے تو پھر کیا ہے — کیا بن مانس کی قسم کا کوئی جانور ہے؟" محمود نے کہا۔

"نہیں — یہ بن مانس کی قسم کا کوئی جانور بھی نہیں ہے۔"

اسی وقت بن مانس پھر ان کی طرف بڑھنے لگا — اور وہ جلدی جلدی درختوں پر چڑھنے لگے — فاروق نے پروفیسر داؤد کو ایک درخت پر چڑھنے میں مدد دی — اسی وقت انسپکٹر جمشید نے ایک فائر اور کیا، لیکن کچھ نہ بنا۔

"اب میں اس کی آنکھ کا نشانہ لوں گا۔" وہ بولے اور فائر کیا، گولی ٹھیک آنکھ پر لگی، لیکن بن مانس اسی طرح آگے بڑھتا رہا۔

"میرا اندازہ درست نکلا — یہ بن مانس نہیں، روبوٹ ہے۔"

"کیا!" وہ چلا اٹھے۔

"ہاں روبوٹ — مشینی آدمی — جسے بن مانس سے بھی بڑے سائز کا بنایا گیا ہے — اور اس پر بن مانسوں کی کھال منڈھی گئی ہے — اسی لیے تو یہ بول بھی سکتا ہے۔"

"اوہ — اب — اب آپ کیا کریں گے؟"

"مقابلہ — اور کیا کر سکتا ہوں۔"

"لیکن ابا جان — اس پر تو گولی اثر ہی نہیں کر رہی ہے — آپ فولاد سے کس طرح لڑ سکیں گے — آپ کا مکا اس پر کیا اثر کر سکے گا؟"

"فکر نہ کرو — اللہ تعالیٰ نے انسان سے زیادہ طاقت ور کسی کو پیدا نہیں کیا اور یہ طاقت اس کی عقل کی طاقت ہے — نہ کہ جسم کی۔" انھوں نے پُرسکون آواز میں کہا اور تیزی سے مڑتے ہوئے جھیل میں چھلانگ لگا دی، پھر تیرتے ہوئے روبوٹ سے دور ہوتے چلے گئے۔

"آؤ مسٹر روبوٹ۔" وہ مسکرائے۔

"اس کا نام مانی ہے ابا جان۔" فرزانہ چلائی۔

"مانی — حالانکہ یہ مٹی کا نہیں — لوہے کا بنا ہوا ہے — خیر — آؤ مانی — جھیل میں کود پڑو۔" انسپکٹر جمشید نے للکار کر کہا۔

مانی نے منہ سے کچھ نہ کہا — جھیل کے کنارے ساکت کھڑا رہ گیا — جیسے کچھ سوچ رہا ہو۔

"نہیں! میں جھیل میں نہیں اتر سکتا۔"

"کیا ہوا بھئی — رک کیوں گئے؟"

"م — میں — میں جھیل میں نہیں اتر سکتا — بہت وزنی

ہوں — ڈوب جاؤں گا۔" مانی بولا۔

"ارے!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"مانی — دوسرا طریقہ اختیار کرو — جن درختوں پر اس کے ساتھی چڑھے ہوئے ہیں، ان درختوں کو گرانا کیا مشکل ہے — اپنے ساتھیوں کو بچانے کے لیے تو اسے جھیل سے باہر آنا ہی پڑے گا — بس تم اس کے ساتھیوں کو جھیل کی طرف نہ بڑھنے دینا۔"

"او کے باس — آپ فکر نہ کریں۔"

مانی یہ کہہ کر جھومتا جھامتا اس درخت کی طرف بڑھا جس پر پروفیسر داؤد تھے۔

"ارے! یہ تو میری طرف آ رہا ہے۔" پروفیسر داؤد بوکھلا اٹھے۔

"فکر نہ کریں انکل — آپ سے پہلے ہم اس کا شکار بنیں گے۔" محمود نے کہا اور زمین پر چھلانگ لگا دی — ادھر انسپکٹر جمشید تیزی سے کنارے کی طرف آ رہے تھے، وہ چلا اٹھے:

"گھبراؤ نہیں — میں آ رہا ہوں۔"

فاروق، فرزانہ اور خان رحمان نے بھی چھلانگیں لگا دیں — پروفیسر داؤد آہستہ آہستہ درخت سے اتر رہے تھے — اتنے میں مانی درخت تک پہنچ گیا اور اس پر اپنا ایک ہاتھ زور لگانے لگا —

اچانک انھوں نے درخت کے ٹوٹنے کی آواز سُنی۔ وہ کانپ کر رہ گئے۔ روبوٹ کس قدر طاقت ور تھا۔ اس سے پہلے کہ درخت گرتا، پروفیسر صاحب نے دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔

"بس ٹھیک ہے۔ آپ سب جھیل کی طرف آ جائیں۔ یہ پانی کا رُخ نہیں کر سکے گا۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید اس کی طرف بڑھنے لگے۔

"لیکن ابّا جان۔ آپ اس سے کس طرح مقابلہ کریں گے؟"

"اللہ مالک ہے۔ دیکھتے جاؤ۔" انھوں نے مسکرا کر کہا۔

اب مائی اور انسپکٹر جمشید ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔

"اسے کچل دو مائی۔ یہ ہمارا دشمن نمبر ایک ہے۔" آواز اُبھری۔

"او کے باس۔"

"یہ کس کی آواز ہے محمود؟"

"اسی بلے آدمی کی؟"

"اس کا مطلب ہے۔ یہ روبوٹ وٹاس کا ہے۔"

"جی کیا مطلب؟"

"بلے آدمی کا نام بوٹاف ہے۔ وہ وٹاس سے یہاں آیا ہے۔ ہوٹل ابرار کے کمرہ نمبر ۹ میں وہی ٹھہرا ہوا تھا۔ ہوٹل ابرار میں ہیروئن کا کاروبار زور شور سے ہو رہا تھا، لیکن میرا خیال ہے،

بوٹاف ہیروئن کے سلسلے میں یہاں نہیں آیا۔ وہ کاروبار تو پہلے ہی خوب ترقی پر ہے۔ بوٹاف کی آمد کسی اور سلسلے میں ہے۔ لیکن چونکہ ہوٹل ابرار وٹاس کا ایک مرکز ہے، اس لیے بوٹاف کو بھی اسی ہوٹل میں ٹھہرنا پڑا۔"

"ہاں انسپکٹر جمشید۔ آپ کا خیال درست ہے، لیکن اب تم ہمارے گھیرے میں آ چکے ہو۔ اوّل تو مائی ہی تم لوگوں کو نہیں چھوڑے گا اور اگر کسی طرح تم اس سے بچ بھی نکلے۔ تو اس پورے جنگل پر ہمارا قبضہ ہے۔ کہو تو اس کا ثبوت بھی دے دوں، چلو بھئی۔ ایک فائر ہو جائے۔ اس طرح کہ گولی انسپکٹر جمشید کے سر کے ایک انچ اوپر سے گزر جائے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی فائر ہوا اور گولی ان کے سر پر سے گزر گئی، لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا۔ گولی کس سمت سے آئی تھی۔

"اگر حالات یہ ہیں تو ہمیں اس روبوٹ سے لڑنے کی کیا ضرورت ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم اس سے کس طرح مقابلہ کرتے ہو۔" بوٹاف کی آواز میں ہنسی تھی۔

"ہمارا کیا ہے جناب۔ کسی نہ کسی طرح تو مقابلہ کر ہی لیں گے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

مائی نے ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ انسپکٹر جمشید اپنی جگہ

کھوڑے دیے —

"کیا تم جھیل کنارے پہنچ چکے ہو؟" انھوں نے ان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"جی ہاں ابا جان — ہمارے بارے میں فکرمند نہ ہوں۔"

"نہیں تو۔ فکر کیسی؟" انھوں نے کہا اور تیزی سے پیچھے ہٹے — پھر چکر کاٹ کر اس کی کمر کی طرف آئے اور اس سے پہلے کہ مائی ان کی طرف مڑتا — انھوں نے دایاں پاؤں اس کی کمر پر رسید کر دیا۔ مائی لڑکھڑا گیا۔ لیکن گر نہ سکا — یہ پہلا وار تھا جو انھوں نے کیا، لیکن ان کے پاؤں پر زبردست چوٹ لگی؛ تاہم اتنا ضرور ہوا تھا کہ انھوں نے مائی کے قدم اکھاڑ دیے تھے — اب پھر وہ پیچھے ہٹے — اتنے میں مائی ان کی طرف مڑ چکا تھا — اسے بھلا تکلیف کا کیا احساس — اسی طرح چلا آ رہا تھا — اس مرتبہ انسپکٹر جمشید نے ایک نئی چال چلی — جوں ہی مائی نے ایک پاؤں اٹھایا، انھوں نے تیزی سے جھک کر اس پاؤں کو پکڑ کر گھسیٹ لیا —

یہ داؤ ایسا تھا کہ مائی کھڑا نہ رہ سکا — دھڑام سے گرا — اس کے گرنے سے زوردار دھمک پیدا ہوئی — ساتھ ہی فاروق چلا اٹھا — کتنی ہی چنگاریاں اٹھیں اور ان چنگاریوں نے مائی کے جسم کو آگ لگا دی — وہ دھڑا دھڑ جلنے لگا؛

"وہ مارا۔"

"یہ کیا ہوا جمشید؟" خان رحمان بوکھلا کر بولے۔

"فولاد آپس میں ٹکرایا تو آگ پیدا ہو گئی — اس کے جسم پر منڈھی ہوئی کھال نے آگ پکڑ لی — اور اب اس آگ کی گرمی سے اس کے تمام تار وغیرہ جل جائیں گے — یہ لوہے کا ایک ڈھیر رہ جائے گا۔" انھوں نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

اور وہ جلتے ہوئے مائی کو سکتے کے عالم میں دیکھنے لگے۔

○

مائی دھڑا دھڑ جل رہا تھا، اس کے جلنے سے چڑ چڑ کی آوازیں اٹھ رہی تھیں — انھیں شدید آنچ کا احساس ہوا تو اس سے دور ہٹتے چلے گئے — دیکھتے ہی دیکھتے کھال جل کر راکھ ہو گئی — اور فولاد آگ کی طرح سرخ ہو گیا —

"لو بھئی — مائی تو گیا کام سے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"افسوس — بے چارہ۔" فاروق بولا۔

"کیا کہ رہے ہو تم، دماغ تو نہیں چل گیا؟" فرزانہ نے چونک کر کہا۔

"کیوں! اس میں دماغ چلنے والی کیا بات ہو گئی؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"روبوٹ بھی کہیں بے چارہ ہو سکتا ہے؟" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"اوہ واقعی۔ فاروق یہ تو تم نے بہت ہی اوٹ پٹانگ بات کہی۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"اور یہ اچھا نہیں ہوا، ہم اس سے بہت کام لیتے تھے۔" جنگل سے بوٹاف کی آواز اُبھری۔

"خیر یہ تو ہوا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ لوگ جنگل میں کیا کر رہے ہیں اور کس جگہ؟" فاروق بولا۔

"صاف ظاہر ہے، ہیروئن تیار کرتے ہوں گے۔ انھوں نے ہیروئن تیار کرنے کا پلانٹ اس جنگل میں لگا رکھا ہو گا۔" محمود نے فوراً کہا۔

"ہاں! تم یہ کہہ سکتے ہو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی کیا فرمایا۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں، تو کیا آپ یہ نہیں کہہ سکتے۔"

"نہیں! ہو سکتا ہے، اس جنگل میں ہیروئن تیار کرنے کا پلانٹ لگایا گیا ہو، لیکن بات صرف یہ نہیں ہو سکتی۔ بات کچھ اور بھی ہے۔"

"آخر آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ بات کچھ اور بھی ہے۔" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"اس لیے کہ اس جنگل کا انتظام کسی عام آدمی کے ہاتھ میں نہیں۔ بوٹاف کے ہاتھ میں ہے۔ ہیروئن کا کام تو پہلے ہی زور شور سے جاری ہے، پھر اس کام کے لیے خاص طور پر بوٹاف کو بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس لیے میں یہ کہوں گا کہ یہاں کچھ اور ہو رہا ہے۔"

"بوٹاف۔ یہ نام تو ہم نے آج پہلی بار سنا ہے۔ کیا اس بار ہم کسی بڑے مجرم سے ٹکرانے والے ہیں۔" محمود نے پُرجوش آواز میں کہا۔

"ہاں! یہی کہہ لو۔"

"اور پورے جنگل پر ان کا قبضہ ہے۔" فاروق نے پریشان آواز میں کہا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے، لیکن ہم نے خود کو بے بس اور بے یار و مددگار کبھی خیال نہیں کیا۔ حالات کچھ بھی ہوں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی مدد کی اُمید ہر حال میں رکھتے ہیں۔ اس وقت بھی صورت حال یہی ہے۔ بظاہر ان لوگوں نے ہمیں گھیر لیا ہے۔ اور شاید ان کا خیال یہ ہو کہ اب ہم ان کے جال سے بچ نہیں سکتے، لیکن میں ایسا نہیں سمجھتا۔"

"آج اس کا فیصلہ ہو جائے گا انسپکٹر جمشید۔ کہ تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے۔" بوٹاف کی آواز آئی۔

"یقیناً میرا اللہ۔ اگر ابھی میرا وقت نہیں آیا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اس سے پہلے کہ یہ مجھ تک پہنچ سکیں۔ انہیں ہلاک کر دو۔ ابھی اور اسی وقت۔" لمبے آدمی نے چلا کر کہا۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ زمین پر لوٹ لگا گئے اور ادھر ادھر لڑھکنے لگے۔ گولیاں بوچھاڑ کی صورت میں برسنے لگیں۔ لوٹ لگاتے ہی انسپکٹر جمشید اور خان رحمان اپنے پستول نکال چکے تھے۔ جن درختوں پر سے گولیوں کے شعلے چمکتے دکھائی دیے تھے، ان پر لگاتار فائر جھونک دیے۔ کئی چیخیں فضا میں ابھریں اور دشمن درختوں کی شاخوں میں الجھتے نیچے گرنے لگے۔

ایک بار پھر بوچھاڑ ماری گئی۔ اور وہ لوٹ پر لوٹ لگا گئے، دوسری طرف خود بھی فائر کرتے چلے گئے۔ ایک بار پھر چیخیں بلند ہوئیں۔ اب محمود، فاروق اور فرزانہ بھی گرنے والوں کے پستول اٹھا چکے تھے اور درختوں پر فائرنگ کر رہے تھے۔ ایک منٹ کے لیے خاموشی چھا گئی۔ وہ اپنی اپنی جگہوں پر دبکے انتظار کرتے رہے کہ اب کس کس درخت سے ان پر فائر ہوتے ہیں، لیکن فائر نہ ہوئے۔

"کیا ہوا۔ فائرنگ کیوں رک گئی۔ کیا ان لوگوں کا صفایا ہو گیا۔" لمبے آدمی کی آواز ابھری، لیکن اسے کسی نے بھی جواب نہ دیا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ اب کسی درخت پر اس کا کوئی

ساتھی موجود نہیں ہے۔ جلد ہی وہ پھر بولا:

"تم لوگوں میں سے کوئی میری بات کا جواب نہیں دے رہا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسپکٹر جمشید پارٹی نے تم لوگوں کا صفایا کر دیا۔ یہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے۔ تم درختوں پر تھے۔ چھپے ہوئے تھے اور وہ نیچے۔ تم لوگوں کی نظروں میں۔ کیا تم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچا۔"

"م۔ میں آپ کا خادم ابھی زندہ ہوں، زندگی کی آخری سانسیں لے رہا ہوں۔ ہم نے آج تک اتنے پھرتیلے آدمی نہیں دیکھے۔ یہ تو بجلی کی طرح تڑپتے ہیں۔ اور ان کے نشانے ایسے ہیں کہ صرف شعلوں کو دیکھ کر ہمیں نشانہ بنا ڈالا۔"

"اوہ۔ انسپکٹر جمشید میں آپ کو اس پہلی کامیابی پر مبارک باد دیتا ہوں۔ اب ہمارا باقاعدہ مقابلہ ہوگا۔"

انسپکٹر جمشید نے کوئی جواب نہ دیا۔ انہیں بھی خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"تم بولتے کیوں نہیں انسپکٹر جمشید۔ کہیں تم بھی تو صاف نہیں ہو گئے۔ اوہ۔ ضرور یہی بات ہے۔ سب لوگ آپس کی فائرنگ سے ہلاک ہو گئے ہیں۔"

وہ مسکرا دیے اور آگے کی طرف رینگنے لگے۔ اسی وقت ایک زخمی کی آواز ابھری:

"نہیں باس۔ یہ لوگ ابھی زندہ سلامت ہیں۔ میں نے ان میں سے ایک کی بھی چیخ نہیں سنی۔ یہ بول اس لیے نہیں رہے کہ آپ کو جنگل میں ان کی پوزیشن کا پتا نہ چل جائے۔ میں بھی آپ کو یہ باتیں اس لیے بتا رہا ہوں کہ آپ کا نائب ہوں۔ اپنے ملک سے آپ کے ساتھ آیا ہوں۔ باقی لوگ تو یہاں سے ہی خریدے گئے ہیں۔ اسی ملک کے ہیں۔ ان میں سے چند اگر موت اور زندگی کے درمیان لٹک رہے ہیں تو بھی وہ کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کر رہے۔"

"ہوں۔ تمہارا شکریہ رومام۔ مرتے دم بھی تم اپنے ملک کے وفادار ہو۔ ایک یہ لوگ ہیں، جیتے جی اپنے ملک سے غداری کرتے ہیں، دولت کی خاطر ملک کو تباہ کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ اتنا بھی نہیں جانتے۔ جب ملک ہی نہیں رہے گا تو وہ دولت کس کام آئے گی۔ دولت دینے والے سب سے پہلے انھی لوگوں کو ختم کریں گے۔ یہ سوچ کر کہ جو لوگ اپنے ملک اور قوم کے وفادار نہیں، وہ ہمارے کب ہو سکتے ہیں۔"

بوناف کے الفاظ نے ان کے سر جھکا دیے۔ یہ الفاظ اگرچہ ان پر کسی طرح بھی فٹ نہیں آتے تھے، پھر بھی یہ ان کے ہم وطن اور ہم قوم لوگوں پر تبصرہ تھا۔ اور بالکل درست تبصرہ تھا۔

وہ آگے بڑھتے رہے۔ اس کے بعد بوناف کی آواز سنائی نہیں دی۔ شاید وہ بھی ان سے مقابلے کی تیاری میں مصروف ہو گیا تھا اور جان گیا تھا۔ وہ اس تک پہنچ کر رہیں گے۔

اپنے اندازے کے مطابق وہ جنگل کے درمیانی حصے کی طرف بڑھتے رہے۔ بڑھتے رہے۔ آخر انھیں ایک عجیب سی عمارت نظر آئی۔ عمارت کیا تھی۔ درختوں اور پودوں کا ایک مینار سا بنا ہوا تھا۔ جسے دُور سے دیکھنے والے عمارت کہہ ہی نہیں سکتے تھے۔ ہاں یہ ضرور کہتے کہ ایک بہت اونچے ٹیلے پر درخت اور پودے اُگے ہیں، لیکن چونکہ اس وقت عمارت میں کچھ بلب بھی روشن تھے، اس لیے وہ اسے عمارت سمجھنے پر مجبور تھے۔

"اُف خدا۔ منارہ نما عمارت۔ وہ بھی سبزے سے ڈھکی ہوئی، یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔" خان رحمان نے سرگوشی کی۔

"یہ اس لیے کہ اوپر سے گزرتے ہوئے جہاز بھی اس عمارت کو نہ دیکھ سکیں اور دوسرے یہ کہ ادھر بھی کوئی آ جائے تو اسے عمارت خیال نہ کرے۔ اس وقت بوناف سے غلطی ہوئی۔ اگر وہ اس عمارت کی روشنیاں بجھا دیتا تو ہم بھی اسے عمارت خیال نہیں کر سکتے تھے۔" انسپکٹر جمشید دبی آواز میں بولے۔

"ہم نے اپنی زندگی میں ایسی عمارت نہیں دیکھی۔" محمود بولا۔

"اچھا بس۔ دیکھی یا نہیں۔ فی الحال خاموش رہو۔ بوناف

بھی اس وقت ہماری بُو سونگھنے کی فکر میں ہے۔ اسے ہماری یہاں موجودگی کی ذرا بھی بھنک پڑ گئی تو گولیوں کی بوچھاڑ کر دے گا۔"

خان رحمان بولے۔

اور ان کے ہونٹ بند ہو گئے۔ وہ جھکے جھکے اس عجیب عمارت کی طرف بڑھنے لگے۔ اب ان پر جوش کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ یوں تو یہ عمارت منارہ نما تھی، لیکن نیچے سے اس کا پھیلاؤ بہت تھا۔ اس پھیلاؤ نے انہیں پریشان کر دیا۔ پروفیسر داؤد کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اور بل ان سے پیچھے نہ رہ سکے۔

بُجھا ہُوا بلب

"خیر تو ہے پروفیسر صاحب۔" انسپکٹر جمشید کو آخر پھر بولنا پڑا۔ لیکن ان کی آواز پروفیسر داؤد کے کان سے آگے نہ جا سکی۔

"اس کا پھیلاؤ نیچے سے اس قدر زیادہ ہے کہ یہ ایک بہت ہی بڑی عمارت نظر آتی ہے۔ جب کہ دُور سے یہ صرف ایک منارہ نظر آتی تھی۔ آخر اس جنگل میں ایسی عمارت بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ کب بنائی گئی۔ اس کے بنانے کی سن گن کسی کو کیوں نہیں ہوئی۔ ان سب سوالات نے مجھے پریشان کر دیا ہے جمشید۔"

"لیکن پروفیسر صاحب۔ آپ کی پریشانی کی صرف یہ وجہ نہیں ہو سکتی۔ بات کچھ اور بھی ہے۔"

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔ دراصل اس قسم کی عمارت گودام کے طور پر استعمال کی جاتی ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"گودام۔ ارے باپ رے۔ تت۔ تو۔ تو کیا یہاں۔ اس جنگل میں یہ عمارت دراصل ہیروئن کا گودام ہے۔"

"اُف اللہ! اتنی ہیروئن ۔ اس عمارت میں تو ہزاروں ٹن ہیروئن آ جائے ۔ اتنی ہیروئن یہاں بھلا کہاں سے اور کیسے آ سکتی ہے" محمود بولا۔

"ہم ۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ اس عمارت میں ہیروئن بھری ہوئی ہے ۔ میں نے تو صرف یہ کہا ہے کہ یہ گودام نما عمارت ہے ۔ تجربہ گاہوں اور رسدگاہوں کے نزدیک یا ان سے قدرے فاصلے پر اس قسم کے "پوشیدہ گودام" بنائے جاتے ہیں جو بظاہر ایک سبزہ زار منارہ نظر آتے ہیں اور دیکھنے میں بہت خوب صورت چیز نظر آتے ہیں، لیکن ان کے اندر کیا چیز ہوتی ہے ۔ یہ لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا ۔ یہ بات تمہیں ایک سائنس دان ہی بتا سکتا ہے" انھوں نے جلدی جلدی کہا۔

"سوال یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں؟"

"ہم اس عمارت میں داخل ہونے کے سوا کیا کر سکتے ہیں" محمود نے کہا۔

"لیکن اندر نہ جانے کتنا بڑا خطرہ منہ کھولے موجود ہے ۔ ہم نے عمارت کا سراغ لگا لیا ہے ۔ اب ہم مدد لے کر یہاں آ سکتے ہیں اور اس پر حملہ آور ہو سکتے ہیں" خان رحمان بولے۔

"کیوں نہ صرف ہم ہی چلیں" محمود نے پھر کہا۔

اس وقت جوش سے نہیں، ہوش سے کام لینے کی ضرورت

ہے" خان رحمان نے منہ بنایا۔

"تب پھر ہم ایک کام کرتے ہیں ۔ خان رحمان ۔ تم پروفیسر صاحب کو ساتھ لے کر جیپ کے ذریعے شہر پہنچو اور فوراً مدد لے کر آؤ"

"اور تم ۔ تم کیا کرو گے؟"

"ہم اس عمارت کو نظروں میں رکھیں گے" وہ مسکرائے۔

"نہیں جمشید ۔ میں جانتا ہوں، تم کیا کرو گے ۔ ادھر ہم روانہ ہوں گے، ادھر تم عمارت میں داخل ہونے کی کوشش شروع کر دو گے، لیکن میں تمہیں اس کا مشورہ نہیں دوں گا جمشید ۔ خطرہ اس سے کہیں زیادہ بڑا ہے، جتنا ہم خیال کر رہے ہیں" پروفیسر داؤد بولے۔

"آپ فکر نہ کریں ۔ خطرات مول لینا ہماری گھٹی میں پڑا ہے اور ہم خود کو اس سے باز رکھنا چاہیں تو بھی نہیں رکھ سکتے" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"نہیں جمشید ۔ ہم صرف اس صورت میں شہر جائیں گے، جب تم ہمارے آنے سے پہلے اس عمارت میں داخل نہ ہونے کا وعدہ کرو!"

"اچھا ٹھیک ہے ۔ میں وعدہ کرتا ہوں" آخر مجبور ہو کر انھوں نے کہا۔

"تو پھر ہم چل دیے۔"

دونوں مڑے اور پھر جنگل کے سرے کی طرف قدم اٹھانے لگے۔ یہ ساری گفتگو اس قدر آہستہ آواز میں ہوئی تھی کہ ان کے چہرے سے آگے نہیں بڑھنے پائی تھی اور اب وہ دونوں بھی اس طرح جھکے جھکے جا رہے تھے کہ دیکھ لیا جانا آسان نہیں تھا۔

"تو کیا ہم واقعی انتظار کریں گے۔" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"ہاں! مجبوری ہے۔ میں وعدہ کر چکا ہوں۔"

"اُف خدا۔ اس قدر طویل انتظار۔" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"انتظار تو ہمیشہ ہی طویل ہوتا ہے۔" فاروق بولا۔

"فکر نہ کرو، اب تم لوگوں کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ پیچھے مڑ کر دیکھو۔" ایک سرگوشی ابھری، انھوں نے بوکھلا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"یہ سرگوشی آپ نے کی ہے ابا جان۔" محمود گڑبڑا گیا۔

"نن۔ نہیں۔" وہ ہکلائے۔

"تو پھر میں نے بھی نہیں کی۔ فاروق، فرزانہ۔ تم نے؟"

"بالکل نہیں۔" دونوں ایک ساتھ بولے۔

اب انھوں نے مڑ کر دیکھا۔ اور دھک سے رہ گئے۔ پروفیسر داؤد اور خان رحمان پھر ان کی طرف چلے آرہے تھے۔

ان کے رنگ فق تھے:

"خیر تو ہے پروفیسر صاحب۔" انسپکٹر جمشید نے ان کے نزدیک آنے پر دبی آواز میں کہا۔

"ہم جنگل سے باہر نہیں جا سکتے جمشید۔ بلکہ اس عمارت سے زیادہ دور بھی نہیں جا سکتے۔" انھوں نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"آخر کیوں؟"

"اس عمارت سے سو قدم کے فاصلے پر چاروں طرف ایک ہالہ موجود ہے۔ جسے ہم دیکھ نہیں سکتے۔ وہ ہالہ لہروں کا ہالہ ہے۔ اس ہالے سے گزر کر ہم اندر تو آ سکتے ہیں، باہر نہیں جا سکتے۔"

"کیوں۔ کیا وہ ہالہ راستہ روک لیتا ہے۔" انسپکٹر جمشید بوکھلا اٹھے۔

"ہاں! جب ہم اس کے نزدیک جاتے ہیں تو وہ ہمیں عمارت کی طرف دھکیل دیتا ہے۔ پورا زور لگانے پر بھی ہم اس ہالے سے باہر نہیں نکل سکتے۔" خان رحمان بولے۔

"عجیب بات ہے۔ ہم کسی جادو کے چکر میں تو نہیں پھنس گئے؟" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"یہ جادو نہیں محمود۔ سائنس ہے۔ سائنس۔"

"میں نے کہا تھا نا — تم لوگوں کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا — دیکھ لو — انتظار ختم ہو گیا نا۔" سرگوشی پھر سنائی دی —

"ارے — یہ تو اپنے بلے بھائی کی آواز ہے۔" فاروق چہکا۔

"مسٹر بوٹان کہو — بڑی بات ہے۔" انسپکٹر جمشید نے اسے گھورا۔

"اس ہالے میں جوں ہی کوئی داخل ہوتا ہے — مجھے اطلاع ہو جاتی ہے — ہالے میں داخل ہونے سے پہلے تم لوگ ضرور میری نظروں سے اوجھل تھے، لیکن اب نہیں — اور تم دی سرگوشیاں بھی میں بالکل اسی طرح بخوبی سن رہا ہوں جس طرح تم اس وقت میری سرگوشی۔" اس کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔

"آپ چاہتے کیا ہیں؟"

"میں تو یہی چاہتا تھا کہ تم لوگ جنگل کا رُخ نہ کر پاؤ، لیکن تم نہیں مانے، پھر میں نے کوشش کی کہ روبوٹ کے ذریعے تم لوگوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا جائے، لیکن تم نے اسے بھی ٹھکانے لگا دیا، پھر میں نے درختوں پر موجود اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ تم لوگوں کو ختم کر دیں، تم نے انہیں بھی ختم کر دیا — اور یہاں تک پہنچ گئے — اب تم اس ہالے اور عمارت کے درمیان میں پھنس گئے ہو — ہالے سے باہر نہیں جا سکتے اور عمارت کے اندر نہیں آ سکتے — کیوں — کس قدر دلچسپ صورتحال ہے؟"

"آپ نے کیا کہا مسٹر لم — نہیں بوٹان۔" فاروق گڑبڑا کر بولا۔

"تم لوگ اس عمارت میں داخل نہیں ہو سکتے اور ہالے سے باہر نہیں جا سکتے — درمیان میں ہی سر پٹختے مر جاؤ گے۔"

"لیکن ہم اس عمارت میں داخل کیوں نہیں ہو سکتے — آپ نے یہاں یہ کب لکھ کر لگا رکھا ہے — کہ اس عمارت میں داخل ہونا منع ہے۔" فاروق نے منہ بنایا اور وہ مسکرانے لگے۔

"انسپکٹر جمشید — تمہارے بچے اس لحاظ سے قابلِ تعریف ہیں کہ یہ ہر حالت میں چہکنا جانتے ہیں۔"

"شکریہ! کیا آپ ہمیں یہ دعوت دے رہے ہیں کہ ہم اس عمارت کا دروازہ تلاش کر کے دکھا دیں۔" انسپکٹر جمشید چونک کر بولے۔

"یہی سمجھ لو — آؤ اور عمارت میں داخل ہو جاؤ۔"

"بہت بہتر — ہم آ رہے ہیں — اور یہ بات لکھ لیں، ہم اس عمارت میں داخل ہو جائیں گے۔"

"ارے نہیں بھئی — یہ نہیں ہو سکتا۔"

"خیر خیر — دیکھتے ہیں — آئیں بھئی — دروازہ تلاش کریں۔" انہوں نے کہا اور عمارت کے بالکل نزدیک پہنچ گئے۔

"پہلے ہم اس کے گرد ایک چکر لگائیں گے۔" محمود نے کہا۔

"ضرور لگاؤ — پروانے شمع کے گرد چکر لگایا ہی کرتے ہیں۔" بوٹان ہنسا —

اُنھوں نے پہلے تو بڑے بڑے منہ بنائے ، پھر چکر لگانے لگے —

"یُوں لگتا ہے — جیسے کسی اونچی چٹان کے اوپر سبزہ اُگا دیا گیا ہو۔" خان رحمان بڑبڑائے۔

"چٹان ؟" انسپکٹر جمشید ٹھٹک کر رک گئے ، پھر بولے :

"جہاں تک مجھے یاد ہے — میں نے ایک بار اپنے مُلک کے اس جنگل کی چٹان کا ذکر اخبار میں پڑھا تھا — اخبار کے الفاظ یہ تھے کہ اس گھنے جنگل میں بہت بڑی چٹان کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے — دُور دُور تک نہ پہاڑی سلسلہ ہے ، نہ کوئی اور چٹان ، پھر آخر چٹان کہاں سے آ گئی — خیال کیا جاتا ہے کہ کسی زمانے میں سمندر اس جگہ تھا — پھر پیچھے ہٹتا چلا گیا اور یہ چٹان دراصل سمندری چٹان ہے۔"

"شاید یہی بات ہو۔" خان رحمان بڑبڑائے۔

"لیکن خان رحمان ، اگر یہ عمارت دراصل چٹان ہے تو پھر ہم اس میں کوئی دروازہ شاید ہی تلاش کر سکیں — اس صورت میں یہ دھوکا ہے — فریب ہے — بوتاٹ کہیں اور بیٹھا باتیں کر رہا ہے۔"

"ارے نہیں بھئی — میں اسی عمارت میں موجود ہوں۔" بوتاٹ ہنسا —

"تو یہ ایک چٹان نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید بے یقینی کے عالم

میں بولے —

"کبھی چٹان تھی — آج ایک عمارت ہے — ایک شان دار عمارت ، اندر سے دیکھ کر تم حیران رہ جاؤ گے ، لیکن محنت کے بغیر کچھ نہیں ملا کرتا — محنت کریں اور دروازہ تلاش کر لیں۔"

"اچھا ! اب ہم دروازہ تلاش کر کے رہیں گے۔" انسپکٹر جمشید منہ بنا کر بولے۔

پوری عمارت کا چکر لگانے میں انھیں پندرہ منٹ لگے ، اب وُہ اس کے اوپر چڑھنے لگے — قدم قدم پر درخت اور پودے تھے — ان کے سہارے وُہ اوپر چڑھتے اور چکر لگاتے چلے گئے — جگہ جگہ بلبوں کے سٹینڈ بھی لگے ہوئے تھے — یہ سب کے سب روشن تھے — ایک سٹینڈ کا بلب بجھا ہوا بھی نظر آیا — چکر لگانے کے ساتھ ساتھ اوپر چڑھنے کا عمل جاری رہا ، یہاں تک کہ وہ چوٹی پر پہنچ گئے — اب جو انھوں نے نیچے جھانک کر دیکھا تو خوف کا احساس ہوا ، اونچائی بہت زیادہ تھی اور ایسے میں اگر کسی کے ہاتھوں سے درخت کی شاخیں چھوٹ جاتیں تو اس کی ہڈی پسلی ایک ہو جانا یقینی تھا —

"ہاں بھئی ! اب کیا خیال ہے ؟" انسپکٹر جمشید تھکے تھکے انداز میں بولے۔

"خیال یہی ہے کہ اس عمارت میں تو دروازے کا دُور دُور تک پتا نہیں۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"لیکن دروازہ موجود ضرور ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"آخر ہم اسے کس طرح تلاش کریں؟" محمود نے منہ بنایا۔

"جس طرح اوپر تک پہنچے ہیں، اسی طرح اب ہمیں نیچے کا رُخ کرنا چاہیے۔ شاید ہم دروازہ تلاش کر ہی لیں۔"

ان کا سفر نیچے کی طرف شروع ہوا۔ اور پھر فرزانہ اس سٹینڈ کے پاس رک گئی جس کا بلب بجھا ہوا تھا:

"بجھا ہوا یہ بلب مجھے پریشان کر رہا ہے۔"

"ابھی کیا ہے۔ تمہیں گھاس پھوس اور تنکے تک پریشان کریں گے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"سب بلب جل رہے ہیں، آخر یہ ایک بلب کیوں نہیں جل رہا۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"بھئی سیدھی سی بات ہے، بلب خراب ہے۔" محمود نے کہا۔

"اس قدر منظم لوگوں نے بلب کے خراب ہو جانے پر نیا بلب کیوں نہیں لگایا۔"

"یہ مسٹر بوتات سے پوچھو۔ میں تو یہی کہوں گا کہ ہم بلاوجہ ایک خراب بلب کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔"

"ابا جان! آپ کا کیا خیال ہے۔" فرزانہ نے ان کی طرف دیکھا۔

"جو تمہارا۔" وہ مسکرائے۔

"جی کیا مطلب۔ جو فرزانہ کا خیال ہے، وہی آپ کا ہے۔"

"ہاں بھئی۔ میرے نزدیک بھی یہ چیز عجیب ہے۔"

"تو پھر آپ ذرا مجھے سنبھال لیں، میں سٹینڈ میں سے اس بلب کو نکال کر دیکھنا چاہتی ہوں۔" اس نے کہا۔

"اچھا۔" انسپکٹر جمشید بولے اور اپنا ایک ہاتھ درخت کی شاخ سے ہٹا کر اسے کمر سے تھام لیا۔ فرزانہ نے دونوں ہاتھ شاخ پر سے ہٹا لیے۔ ادھر بلب شیشے کے جس خول میں لگایا گیا تھا، اسے اُلٹا گھمانے لگی۔

"میرا خیال ہے۔ ہم وقت ضائع کرنے پر تُل گئے ہیں۔" فاروق بڑبڑایا۔

"ہو سکتا ہے، لیکن یہاں وقت کو آباد کیا بھی کس طرح جا سکتا ہے۔" فرزانہ نے ہنس کر کہا۔

"اچھا کاٹ کھانے کو نہ دوڑو۔ کہیں ابا جان گھبرا کر ہاتھ تم پر سے نہ ہٹا لیں اور تم نیچے نہ پہنچ جاؤ۔ ہڈیاں نرم نہیں تو دیر ضرور بن جائیں گی۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"لیجیے۔ یہ حضرت مرنے سے ولیمے تک جا پہنچے۔" محمود نے منہ بنایا۔

"تو تم کیا چاہتے ہو۔ میں سرے سے کسی چیز تک جا پہنچوں۔"

"میں تو کہتا ہوں۔ تم اس اونچائی سے نیچے جا پہنچو۔ شاید اسی طرح تمہاری زبان سے نجات مل جائے۔" محمود نے جل بھن کر کہا۔

"ایسی دل دکھانے والی باتیں۔ اور وہ بھی اس قدر اونچائی پر۔ توبہ کرو۔" فاروق نے کہا۔ خان رحمان اور پروفیسر داؤد مسکرا اُٹھے۔

ادھر فرزانہ شیشے کا خول اُتار چکی تھی۔ جوں ہی اس نے بلب کو ہاتھ لگایا، بلب جل گیا۔

"ارے یہ تو ٹھیک ہے۔ بس کہیں پوری طرح فٹ نہیں بیٹھا تھا۔" فرزانہ چونک اُٹھی۔

"یُوں ہی وقت ضائع ہوا۔ آیئے اب نیچے چلیں۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"ہاں! مجھے بھی بہت افسوس ہوا کہ یوں ہی وقت ضائع ہوا۔"

"نہیں فرزانہ۔ ان حالات میں ہم اس قسم کی کوششوں کے علاوہ اور کر ہی کیا سکتے ہیں، یہ وقت ضائع کرنا ہرگز نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید پُرزور لہجے میں بولے۔

"میں بھی یہی کہتا ہوں۔" خان رحمان بولے۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے ہم اس عمارت کا دروازہ تلاش نہیں کر سکیں گے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

آخر وہ نیچے پہنچ گئے اور پھر دھک سے رہ گئے۔ ان کے سامنے عمارت میں ایک دروازہ کُھل چکا تھا۔

کُھل جا سم سم

"بھئی یہ کیا، دروازہ تو خود بخود کُھل گیا۔" محمود حیرت زدہ لہجے میں بولا۔

"اللہ کی قدرت ہے، جو چاہے، سو کرے۔" فاروق بڑبڑایا۔

"یہ خود بخود نہیں، اس بلب کے جلنے سے کُھلا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"اوہ نہیں۔" دونوں اُچھل پڑے۔

"اگر یقین نہیں تو پھر اوپر جا کر بلب بجھا دو۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"کیا ضرورت ہے، وقت ضائع کرنے کی۔ ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ دروازہ کُھل گیا۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

"ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ واقعی تم لوگوں کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ تمھارے استقبال کے لیے ہم یہاں موجود ہیں۔" عمارت کے اندر سے آواز آئی۔ انھوں نے نظریں گھما کر دیکھا تو

"ہاں! میں برنات ہوں — تم یہاں تک میری مرضی سے آئے ہو۔ اس میں شک نہیں کہ تمھاری بیٹی نے دروازہ کھول لیا تھا، لیکن اس کے بعد بھی تم اس عمارت میں داخل نہیں ہو سکتے تھے، کیوں کہ پتھر کے یہ دروازے انجان آدمی نہیں کھول سکتا، لیکن چوں کہ تم لوگ دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گئے تھے، اس لیے میں نے سوچا، میری اور تمھاری ایک ملاقات پُرسکون ماحول میں ہو ہی جائے، جسے آخری ملاقات کہنا چاہیے۔"

"آخری ملاقات — کیا مطلب؟" فاروق بول اٹھا۔

"ہاں! تم اس وقت پوری طرح میرے قبضے میں ہو — انسپکٹر جمشید اپنے ہاتھ کو میری طرف اٹھا کر دکھاؤ۔" اس نے اپنی گھڑی پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"ہاتھ اُٹھا کر دکھاؤں؟"

"ہاں! تھوڑی دیر پہلے تم نے گوشت جلنے کی بُو محسوس کی تھی نا؟"

"بالکل کی تھی۔" خان رحمان فوراً بولے۔

"وہ گوشت جلنے کی نہیں تھی — بلکہ ایک خاص قسم کی گیس تھی — اور اس گیس کا کام اس وقت تک شروع ہو چکا ہے، اب تم لوگ اپنے ہاتھوں اور پیروں کو حرکت نہیں دے سکو

گے۔"

"کیا!!" وہ ایک ساتھ چلائے۔

پھر انھوں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنے ہاتھوں اور پیروں کو حرکت دینے کی کوشش کی، لیکن یہ ممکن نہ ہوا، انھیں یوں لگا جیسے وہ کسی جادوئی دیس میں پیچھے مُڑ کر دیکھنے کی وجہ سے پتھر کے بتوں میں تبدیل ہو گئے ہوں —

دُوسری خوراک

"یہ کیا بات ہُوئی — یہ پُر سکون ماحول میں بات کرنے کا کون سا طریقہ ہے؟" فارُوق نے جھلّا کر کہا۔

"اس سے زیادہ پُر سکون طریقہ کیا ہوگا کہ اب تم اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکوگے؟" بوناف نے کہا۔

"لیکن اس طرح کیا خاک مزا آئے گا؟"

"خاک مزا شاید تمھیں نہ آئے، مجھے تو بہت آئے گا۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"خیر خیر — یوں ہی سہی — مسٹر بوناف — تم کیا چاہتے ہو؟"

"صرف اور صرف یہ کہ جو کام میرے مُلک نے مجھے سونپا ہے، میں وہ بغیر کسی اُلجھن کے جاری رکھوں — کوئی رکاوٹ نہ پیش آئے — اور دوسرے یہ کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو کہ میں یہاں کیا کام کر رہا ہوں۔"

"لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم یہاں تک پہنچ گئے ہیں۔" انسپکٹر

جمشید مسکرائے۔

"اب تم لوگ میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں رہے، اس گیس کا اثر تین چار گھنٹے سے پہلے ختم نہیں ہوگا — اور تم لوگوں کو ختم کرنا چند منٹ کا کام ہے۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" محمود نے منہ بنایا۔

"کیا مطلب — تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"جب ہمیں ختم کرنا چند منٹ کا کام ہے تو پھر ہمیں یہ بتا دینے میں کیا حرج ہے کہ آپ یہاں کیا کر رہے ہیں — اس عمارت میں کیا ہو رہا ہے؟"

"میں تم لوگوں کو جانتا ہوں — تم بہت چالاک ہو — کیا خبر کسی ذریعے سے تم مرتے دم بھی اس عمارت کے بارے میں کسی جگہ اطلاع پہنچانے میں کامیاب ہو جاؤ۔"

"ہوں! معلوم ہو گیا، تم ہم سے بہت خوف زدہ ہو۔" خان رحمان ہنسے۔

"نہیں خیر — یہ کہنا تو غلط ہوگا — تم بھلا میرا کیا بگاڑ سکتے ہو، ہاتھ پیر تو ہلا نہیں سکتے۔"

"اس گیس کا اثر ختم ہونے دیں، پھر بتائیں گے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔" فارُوق نے جھلّا کر کہا۔

"گیس کا اثر ختم ہونے سے بہت پہلے —"

اس کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ اسی وقت کمرے میں ایک تیز آواز گونجی تھی — مسلسل آواز۔ بوٹاف چونک اُٹھا۔ اس نے پتھر کی میز پر رکھے ایک آلے کا بٹن دبایا اور بولا:

"بوٹاف پلیز۔"

"ادھر حالات کیا ہیں؟"

"پُرسکون اور پُرلطف" وہ ہنسا۔

"پُرلطف سے کیا مُراد؟" دوسری طرف سے چونک کر کہا گیا۔

"انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی اس وقت میرے سامنے پتھر کے بتوں کی طرح کھڑے ہیں۔"

"یہ لوگ یہاں کیسے پہنچ گئے؟" دوسری طرف سے حیرت زدہ لہجے میں کہا گیا۔

"اس پر تو حیرت مجھے بھی ہے۔"

"اس کے ساتھیوں سے تمہارا مطلب تینوں بچوں سے ہے؟"

"جی — نہیں — بچے بھی ہیں اور دو اور بھی ہیں۔ خان رحمان اور پروفیسر داؤد" اس نے ان کے چہروں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"بوٹاف — معلوم کرو — کیا پروفیسر داؤد بھی ان میں شامل ہیں؟" دوسری طرف سے کہا گیا۔

بوٹاف نے ان کی طرف دیکھا، پھر مسکرا کر بولا:

"معلوم کرنے کی ضرورت نہیں — ان کے چہروں کے تاثرات بتا رہے ہیں — ان میں بوڑھا آدمی پروفیسر داؤد ہے۔"

"اور تم نے ان کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"بس ابھی ہلاک کرانے ہی والا تھا۔" بوٹاف بولا۔

"اور یہ تمہاری بڑی غلطی ہوتی بوٹاف۔"

"کیا مطلب سر؟"

"یہ لوگ بہت اہم ہیں، ہمارے بہت کام کے ہیں۔ انہیں فوراً میرے پاس بھیج دو۔"

"اوکے سر — آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی۔"

"ٹھیک ہے — میں ان کا انتظار کر رہا ہوں — اور ہاں — انہیں گیس کی ایک اور خوراک سُنگھا دینا — تاکہ یہ آئندہ چھ سات گھنٹوں تک حرکت کرنے کے قابل نہ ہو سکیں۔"

"اوکے سر۔" اس نے کہا۔

"بس ٹھیک ہے — کوئی اور خاص بات ہو تو بتا دو۔"

"جی نہیں — کام بالکل ٹھیک جا رہا ہے — مزا آ رہا ہے اور ابھی بہت مزا آئے گا۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"اسی لیے تو تمہیں بھیجا گیا تھا — اس مہم کے لیے میں تم سے بہتر آدمی بھیج ہی نہیں سکتا تھا۔"

"شکریہ سر!" بوٹاف نے خوش ہو کر کہا۔

گفتگو کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ بوٹاف نے بٹن آف کر دیا اور ان کی طرف مڑا:

"تمہاری زندگیوں کے لمحات میں کچھ اضافہ ہو گیا ہے۔"

"وقت آنے سے پہلے تم ہمیں مار سکتے ہی نہیں تھے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اب تم لوگوں کو ہمارے ملک جانا ہے۔ چلو بھئی انھیں پہنچانے کا انتظام کرو۔"

"او کے سر۔" ایک سٹین گن والا بولا۔

"یہ کون صاحب تھے۔ جن سے ابھی آپ نے بات کی ہے۔ ہم سے بہت اچھی طرح واقف معلوم ہوتے ہیں۔"

"ہاں! انھیں عالمی معلومات کا ماہر کہا جاتا ہے۔ ہمارے ملک کی ایک بہت اہم ہستی۔ صدر بھی جن کا بہت احترام کرتے ہیں۔ بلکہ دیکھا جائے تو صدر بھی ان کے مشوروں پر عمل کرتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ان کی حکم عدولی کی سزا فوری طور پر موت ہے۔ انھیں کوئی نہیں پوچھ سکتا۔ فلاں آدمی کو انھوں نے کیوں ہلاک کیا یا ہلاک کروایا۔ ان سے یہ سوال بھی نہیں پوچھا جا سکتا۔"

"اور ان کا نام کیا ہے؟"

"رولف بان۔ اب بس۔ ارے ہاں۔ گیس کی ایک اور خوراک تو رہ ہی گئی۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

ان کی نظریں بھی ان چاروں کی طرف گھوم گئیں۔ کم از کم وہ نظریں گھمانے کے قابل تھے۔ انھوں نے فوری طور پر سٹین گنیں بائیں ہاتھوں میں پکڑ لیں اور دائیں ہاتھ جیبوں میں رینگ گئے۔ ادھر بوٹاف نے میز کی دراز کھینچی۔ انسپکٹر جمشید نے جلدی سے اس کی طرف دیکھا۔ عین اسی وقت انھوں نے گوشت جلنے کی بو محسوس کی۔ انھوں نے اپنے سانس روک لیے۔ اور کوشش شروع کر دی کہ بو ان کے نتھنوں میں داخل نہ ہو سکے، لیکن سانس روکنا ان کے لیے ممکن نہ ہوا، شاید یہ بھی اس گیس کا ہی اثر تھا۔

"ہم۔ میں بھی سانس روکنے کے قابل نہیں ہوں۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"ہم تو پھر ہیں کس کھیت کی مولی۔" فاروق نے منہ بنایا۔

اس بار گیس زیادہ دیر تک محسوس ہوتی رہی۔ آخر سلسلہ بند ہو گیا۔

"بس۔ اب انھیں لے جاؤ۔ یہ تمہارے مقابلے میں کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں رہے۔ کیچوؤں کی طرح بے ضرر

ہو کر رہ گئے ہیں" بوٹاف نے ہنس کر کہا۔

"لیکن باس — انھیں لے کس طرح جائیں؟"

"جیپ تک کندھوں پر ڈال کر ہی لے جانا ہوگا" وہ بولا —

انھوں نے اپنی شین گنیں وہیں رکھ دیں اور انھیں باری باری کندھوں پر لاد کر عمارت سے باہر لے آئے، پھر ان میں سے ایک اس عمارت کے پچھلے حصے کی طرف گیا اور جلد ہی ایک جیپ لے آیا — اب انھیں جیپ کے پچھلے حصے میں ڈھیر کیا گیا، ان میں سے تین ان کے پاس بیٹھے اور چوتھے نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی — جیپ چل پڑی:

"لو بھئی — ہم اپنے ملک سے رخصت ہو رہے ہیں — اور کسی کو معلوم بھی نہیں" فاروق بڑبڑایا۔

"یہ ہمارے لیے کون سی نئی بات ہے، پہلے بھی نہ جانے کتنی مرتبہ ہو چکا ہے"

"جمشید — مجھے بہت افسوس ہے — یہ مصیبت میری وجہ سے آئی ہے" پروفیسر داؤد غمگین آواز میں بولے۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں پروفیسر صاحب — ہمیں تو آپ کا شکرگزار ہونا چاہیے، اگر ہم اس جنگل کا رُخ نہ کرتے تو اس سازش کا پتا کیسے چلتا — صاف ظاہر ہے — یہ سازش ہمارے

ملک کے خلاف ہے" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن ہم یہ کب معلوم کر سکے ہیں کہ سازش کیا ہے اور اس کا خاتمہ بھی تو نہیں کر سکے"

"آپ کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں — ہم سے جو ہوا، کر چکے ہیں اور جو ہو سکے گا، کر گزریں گے"

"کر گزر چکے — ہاتھ پیر تو ہلا نہیں سکتے" ایک شین گن والا ہنسا —

"یہ کیفیت چھ سات گھنٹے تک ہی رہے گی نا — پھر؟"

"اس وقت تک تو مسٹر وولف ہان تم لوگوں کے ساتھ نہ جانے کیا کچھ کر چکے ہوں گے — تم انھیں نہیں جانتے"

"یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ گیس تم لوگوں پر کیوں اثر انداز نہیں ہوئی" فرزانہ نے اُلجھن کے عالم میں کہا۔

"اگر یہ بات تمھاری سمجھ میں آ جاتی تو کم از کم گیس کی دوسری خوراک سے ضرور محفوظ رہ سکتے تھے" دوسرا بولا۔

"تب بھی کیا ہو جاتا — تین چار گھنٹے کے لیے تو ہم بے کار پھر بھی تھے" فرزانہ نے جھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اس طرح یہ ہوتا کہ تم مسٹر وولف ہان کے سامنے پہنچتے ہی ہاتھ پیر ہلانے میں کامیاب ہو سکتے تھے کیوں کہ ان تک پہنچنے میں پورے چھ گھنٹے لگیں گے"

"اوہ — شاید اسی لیے رولف بان نے ایک اور خوراک دینے کا حکم دیا تھا:" محمود چونکا۔

"ہاں — شاید:" ایک سٹین گن والا بڑبڑایا۔

"تب تو مسٹر رولف بان بہت بزدل آدمی ہو گا — جو ہم سے اس حد تک خوف زدہ ہے۔"

"یہ بات نہیں — وہ دوسروں کو بے بس دیکھنے کا بہت شوقین ہے — تم لوگوں کی بے بسی سے بھی خوب لطف اندوز ہو گا۔"

ان کے منہ بن گئے — انھیں ایسے آدمی پسند نہیں تھے جو دوسروں کی بے بسی سے لطف اندوز ہوتے ہوں — جیپ ساحل سمندر پر جا کر رکی — ساحل دور دور تک ویران تھا — ایک بڑی سی لانچ وہاں موجود تھی — اس پر ایک آدمی نمودار ہوا:

"نمبر تین سو تین:"

"نہیں — پانچ سو تین:" ایک سٹین گن والا بولا۔

"بالکل ٹھیک — چلے آؤ — میں تمھارا ہی انتظار کر رہا تھا:"

"ان لوگوں کو کندھوں پر لاد کر لانچ پر سوار کرنا ہو گا:"

"اوہ اچھا — ٹھیک ہے:"

آخر انھیں لانچ پر لاد دیا گیا:

"ہم چل دیے:" سٹین گن والا بولا —

"اور میں بھی:" لانچ ڈرائیور نے کہا — ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور پھر لانچ پانی میں اترنے لگی — اس وقت انھیں معلوم ہوا وہ آب دوز تھی — اس کے اوپر شیشے کا ایک خول چھا گیا۔

"ارے باپ رے — یہ تو آب دوز ہے، گویا اب ہم سمندر کے نیچے سفر کریں گے:" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"تو اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے:" محمود نے منہ بنایا۔

"مجھے سمندر کے نیچے اڈینگا کی قوم یاد آ گئی — اُف — کس قدر ہولناک جگہ تھی۔"

"لیکن یہ لوگ تو شاید ہمیں ونٹاس لے جا رہے ہیں۔" فرزانہ نے اعتراض کیا۔

"ہاں اور کیا — یہ تو یوں ہی خوف زدہ ہو جاتا ہے:" محمود جھلا کر بولا۔

"ان کا کیا پتا — ونٹاس لے جاتے لے جاتے — سمندر کی تہ میں ہی لے جائیں:" فاروق مسکرایا۔

"بھئی ان کا دماغ تو چل نہیں گیا — تمھاری طرح:" فرزانہ مسکرائی۔

"کیا کہا — میرا دماغ چل گیا ہے — ٹھہرو بتاتا ہوں:" یہ کہتے ہی فاروق نے اس کی طرف مڑنا چاہا، لیکن پتا چلا — انھوں

ؔ "جزیرے کا سمندر" پڑھیے۔

پیروں کو حرکت دینا تو ان کے بس کی بات ہی نہیں تھی۔

"رک کیوں گئے۔ بتاؤ نا؟" فرزانہ نے شوخ آواز میں کہا۔

"مجھے سات گھنٹے کے بعد بتاؤں گا۔" فاروق بے چارگی کے عالم میں بولا اور وہ سب مسکرا دیے۔

"ابا جان۔ وہ گیس برٹاف وغیرہ پر اثر انداز کیوں نہیں ہوئی تھی؟" محمود بولا۔

"بھئی انھوں نے اس کا توڑ پہلے ہی کر رکھا ہوگا۔" انھوں نے جواب دیا۔

"یعنی کیا۔ گیس چھوڑنے سے پہلے انھوں نے اپنے ہاتھ جیبوں میں کیوں ڈالے تھے؟"

"شاید اس گیس سے بچنے کے لیے کوئی چیز ان کی جیبوں میں تھی۔ اسی لیے برٹاف نے ان چاروں کی طرف دیکھا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے۔ اس مرتبہ ہم بہت بُرے پھنسے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"اور کم بُرے ہم کب پھنستے ہیں؟" فاروق نے منہ بنایا۔

"بھئی لڑو نہیں۔ اس وقت ہم آب دوز میں ہیں۔" خان رحمان مسکرائے۔

"آپ کا مطلب ہے انکل۔ آب دوز میں لڑنا منع ہے۔" محمود بولا۔

"ہاں! کہیں لڑائی کی وجہ سے یہ ڈانوا ڈول نہ ہو جائے۔" پروفیسر داؤد نے مسکرا کر کہا۔

"بھئی واہ۔ آج تو ہماری گفتگو میں بڑے بھی شریک ہو گئے۔" فرزانہ چہکی۔

"شامل نہ ہوں تو کیا کریں۔ آب دوز میں سفر کر رہے ہیں اور سونے پر سہاگہ یہ کہ ہاتھ پیر ہلا نہیں سکتے۔" خان رحمان بولے۔

"چلے تھے ہم اس عمارت کا راز جاننے اور برٹاف سے مقابلہ کرنے۔ اور اب جا رہے ہیں دشمن۔ بھئی واہ۔" فاروق نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اس میں ہمارا کیا قصور۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ عمارت میں داخل ہوتے ہی وہ گیس صاحبہ ہمارے پیچھے پڑ جائے گی۔"

"ابا جان۔ معاف کیجیے گا۔ گیس ہمارے پیچھے نہیں۔ ہم اس کے پیچھے پڑے ہیں۔" فرزانہ فوراً بولی۔

"چلو یوں ہی سہی۔ اب جب تک ہم اس گیس سے نجات نہیں حاصل کر لیتے۔ اس وقت تک بھلا کیا کر سکتے ہیں۔"

"اس کے بعد بھی کیا کر سکیں گے۔ ہمیں برٹاف کے بھی باس کے سامنے لے جایا جائے گا۔" پروفیسر داؤد نے منہ بنایا۔

"مسٹر ڈرائیور۔ آپ کیوں خاموش ہیں؟"

"تم لوگوں کی باتیں سُن رہا ہوں۔ بہت بڑھ بڑھ کر بنا لیتے ہو باتیں۔" ڈرائیور کی آواز سنائی دی۔

"شکریہ۔ یہ تو آپ نے بالکل درست اندازہ لگایا۔" محمود نے ہنس کر کہا۔

"خاص طور پر تمہارا بھائی۔ اس کی زبان تو نہ جانے کس چیز کی بنی ہوئی ہے۔"

"بھئی یہ میں نے سپیشل نہیں بنوائی۔ اس جسم کے ساتھ ہی مجھے ملی تھی۔" فاروق نے بھی خوش گوار انداز میں کہا اور ڈرائیور ہنس پڑا۔

"دیکھ لیجیے جناب۔ آخر آپ کو بھی ہم نے باتوں میں لگا لیا۔" محمود بولا۔

"ہاں واقعی۔ یہ بات تو تسلیم کرنا ہی ہو گی۔ شاید تم اس کام کے بہت ماہر ہو۔" ڈرائیور نے مسکرا کر کہا۔

"کوئی ایسے ویسے ماہر۔ ماہروں کے ماہر کہیے۔" فاروق بولا۔

"ہمارا یہ سفر کتنی دیر کا ہے۔ میرا مطلب ہے صرف لانچ کا۔"

"چار گھنٹے کا۔" اس نے کہا، پھر چونک کر بولا:

"اوہو۔ یہ مجھ سے کیا غلطی ہوئی۔ میں تو تم لوگوں کی

باتوں کے جواب دینے لگا۔ جب کہ یہ مسٹر وولف ہان کے مزاج کے بالکل اُلٹ ہے۔"

"تو کیا ہوا۔ یہاں کون سا وولف ہان موجود ہے۔"

"ان سے کوئی بات چھپی نہیں رہتی۔" ڈرائیور نے کانپ کر کہا۔

"بھئی کمال ہے۔ تم تو اس طرح کانپ رہے ہو جیسے مسٹر وولف نے تمہارے یہ الفاظ سُن ہی تو لیے ہیں۔"

"ہاں! سُن لیے ہیں، اسی لیے تو کانپ رہا ہوں۔" وہ بولا۔

"کیا مطلب۔ کس طرح سُن لیے ہیں۔ یہ۔ یہ تم کیا کر رہے ہو؟" انسپکٹر جمشید چونک اُٹھے۔

"اس آب دوز سے ہاں کے عملے کا رابطہ قائم ہے۔ یہ آب دوز بہت ہی خاص موقعوں پر استعمال کی جاتی ہے۔"

"اوہ!" وہ دھک سے رہ گئے، پھر انسپکٹر جمشید بولے:

"تو تمہارے خیال میں مسٹر وولف ہان اس آب دوز پر ہونے والی ساری گفتگو سُن رہے ہیں؟"

"سُن رہے ہیں یا ٹیپ شدہ گفتگو بعد میں سُنا دی جائے گی، اسے کھو لیں کر میں مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔"

"ٹھہریے۔" فاروق نے جلدی سے کہا اور جیب کی طرف ہاتھ لے جانا چاہا۔ لیکن ہاتھ نے حرکت نہ کی۔

"مجھے افسوس ہے جناب"
"کس بات پر؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔
"اس بات پر کہ میں آپ کے الفاظ لکھ نہیں سکتا۔"
"اوہ!" ڈرائیور نے منہ بنایا۔
اس کا چہرہ بالکل زرد پڑ گیا تھا اور وہ کسی خشک پتے کی طرح لرز رہا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھے اسے بخوبی دیکھ رہے تھے۔ اور اسی وقت انجن روم میں بالکل ویسی ہی آواز گونج اٹھی جیسی انھوں نے عمارت کے کمرے میں سنی تھی۔
ڈرائیور کا چہرہ بالکل تاریک پڑ گیا۔

ابازاک

انجن روم میں بھی بالکل ویسا ہی آلہ لگا ہوا تھا جیسا انھوں نے بوشاف کی میز پر دیکھا تھا۔ ڈرائیور نے تھر تھر کانپتے ہاتھ سے اس کا بٹن دبایا، فوراً ہی وہی آواز گونجی:
"ابازاک۔ تم سے غلطی ضرور ہوئی ہے، لیکن اتنی بڑی نہیں کہ تم فرار ہونے کی سوچنے لگو۔ تم ان لوگوں کو لے کر ساحل پر پہنچو گے۔ اپنی غلطی کی ہلکی سی سزا بھگتو گے۔ اور اس کے بعد اپنی ڈیوٹی پر بحال ہو جاؤ گے، لیکن اگر تم نے فرار ہونے کی سوچی۔ تب تم کہیں کے نہیں رہو گے، پھر یہ ذہین تمھیں کہیں بھی پناہ نہیں دے سکے گی۔ تم جانتے ہی ہو، میرے ہاتھ کتنے لمبے ہیں۔"
"یس۔ یس سر۔" ابازاک کے منہ سے مشکل سے نکلا۔
"یہ قیدی میرے لیے بہت اہم ہیں۔ اس قدر اہم کہ میں بتا نہیں سکتا، اگر یہ مجھ تک نہ پہنچے اور سمندر میں ہی کہیں

اِدھر اُدھر ہو گئے تو یہ بہت بُرا ہو گا۔ اسی خطرے کے پیشِ نظر میں نے اس وقت تم سے بات کی ہے۔ تمھارے ذہن میں یہ بات آئی تھی کہ آپ دوز کو کسی اور سمت میں موڑ دو اور جدھر سینگ سمائیں، نکل چلو۔ ظاہر ہے، تمھارے ساتھ یہ لوگ بھی اِدھر اُدھر ہو جاتے اور پھر مجھے تمھارے ساتھ ان لوگوں کو بھی تلاش کرنا پڑتا۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔"

"یس سر۔ یس سر۔" ابلاک نے ڈوبتی آواز میں کہا۔

"اب جو قدم بھی اٹھاؤ گے۔ سوچ سمجھ کر اٹھاؤ گے، کیوں کہ تم جانتے ہو۔ سمندر میں اس جگہ پر میں فوری طور پر تمھیں کسی سمت میں نکل جانے سے نہیں روک سکتا۔"

"یس سر۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں ان لوگوں کو سیدھا آپ کی طرف لاؤں گا۔ چاہے میرے لیے کچھ بھی سزا تجویز کی جائے۔"

"بہت خوب۔ یہی عقل مندی ہو گی۔"

"بس تو پھر چلے آؤ۔ میں ان لوگوں کا بے چینی سے انتظار کر رہا ہوں۔"

اس کی آواز بند ہو گئی اور تیز سیٹی سی بجنے لگی۔ بٹن آف کرنے کے بعد وہ بھی غائب ہو گئی۔

"واقعی۔ تم ٹھیک کہتے تھے۔" محمود نے لمبا سانس کھینچا۔

"اور کیا تم نے پیچ مچ کسی سمت میں نکل جانے کے بارے میں سوچ لیا تھا؟"

"ہاں بالکل، کیوں کہ باس کی ہلکی سی سزا بھی کچھ کم خوفناک نہیں ہوتی۔ میں اس کا اندازہ لگا سکتا ہوں۔"

"ہوں! تو پھر۔ اس گفتگو کے بعد کیا تم نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے؟"

"ہاں، کیوں کہ میں باس سے بھاگ کر کہیں بھی نہیں جا سکتا۔" اس نے مُردہ آواز میں کہا۔

"تو پھر سُن لو۔ تم ایک بُزدل آدمی ہو۔" محمود نے کچھ سوچ کر کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"یہ بزدلی نہیں تو کیا ہے۔ تم نکل سکتے ہو، لیکن نکلنے کی کوشش نہیں کر رہے۔"

"اس میں میری بھلائی ہے۔ اب خاموش رہو۔ تم سے بات چیت کرنے کی وجہ سے ہی مجھ پر یہ وقت آیا ہے۔"

"صرف اتنا بتا دو۔ کہ تمھارے باس کی ہلکی سی سزا کیا ہوتی ہے؟"

"اُف۔ میں بیان نہیں کر سکتا۔" اس کے ہاتھ کانپ گئے۔ آب دوز کا سٹیرنگ گھوم گیا۔ انھیں یوں لگا جیسے آب دوز کسی

بھنور میں پھنس کر چکر لگانے لگ گئی ہو۔ قریب قریب نصف منٹ یہی کیفیت رہی۔ آخر انسپکٹر جمشید بوکھلا اُٹھے:

"ارے ارے بھئی۔ یہ کیا۔ سنبھلو کیا کر رہے ہو؟"

اباذاک کو ایک جھٹکا سا لگا، یوں محسوس ہوا، جیسے اچانک ہوش میں آگیا ہو اور پھر لانچ ایک سمت کی طرف روانہ ہو گئی۔

"صرف سزا کے ذکر پر تمھاری یہ حالت ہو گئی۔ جب سزا ملے گی تو کیا ہو گا؟"

"م۔۔۔ مر جاؤں گا بے موت اور کیا ہو گا۔" اس نے جواب دیا، پھر چونک اُٹھا:

"میں نے کہا تھا نا۔ تم لوگ خاموش رہو۔"

"بہت بہتر۔۔۔ اب ہم کچھ نہیں بولیں گے۔۔۔ بالکل خاموش ہو جاتے ہیں، لیکن اب یہ نہ کہہ اُٹھنا۔ لانچ میں قبرستان کی سی خاموشی کیوں چھا گئی ہے۔" فاروق نے بُرا سا منہ بنایا۔

"ن۔ نہیں کہوں گا۔۔۔ میرا دماغ نہیں چل گیا کہ ایسی بات کہوں۔"

"بہت بہت شکریہ۔" فاروق بولا۔

"شکریہ۔ کس بات کا شکریہ؟"

"بھئی اسی بات کا۔۔۔ کہ تم یہ نہیں کہو گے۔۔۔ کہ قبرستان

میں۔"

"اوہ۔ پھر وہی قبرستان۔ یہ نام منہ سے نہ نکالیں۔" وہ چلّا اُٹھا۔

"تو آپ قبرستان کے نام سے خوف کھاتے ہیں۔ کمال ہے، ایک دن تو آپ کو اس میں جانا ہو گا۔"

"انسپکٹر صاحب۔ مہربانی فرما کر اسے روکیے۔" اباذاک تنگ آ گیا۔

"فاروق۔ تم باز نہیں آؤ گے۔ کیوں بے چارے کو پریشان کر رہے ہو۔ وہ تو پہلے ہی پریشان ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے فاروق کو گھورا۔

"اور کیا۔" اس نے فوراً کہا۔ کئی گھنٹے تک لانچ کا سفر جاری رہا۔ پھر اچانک اباذاک چلّا اُٹھا:

"ارے۔ یہ کیا۔"

"کہاں۔ کیا۔ نہیں تو کچھ نظر نہیں آ رہا۔" انسپکٹر جمشید نے پریشان ہو کر کہا۔

"میں سکرین پر ایک خوف ناک چٹان دیکھ رہا ہوں۔۔۔ اُف۔ کہیں یہ موت کی چٹان تو نہیں ہے۔"

"موت کی چٹان۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"ہاں! ان اطراف میں ایک موت کی چٹان موجود ہے۔۔۔

اس کی زد میں آنے والا جہاز بچتا نہیں ۔ ہم تو یوں بھی صرف ایک آب دوز میں سوار ہیں ۔"

"اوہ ! لیکن یہ کیسے ہو گیا ، میرا مطلب ہے ۔ تم اس چٹان کی طرف کیسے آ گئے ۔ کیا اس کا راستے میں آنا ضروری تھا ۔"

"نہیں ۔ ایسا ضرور چکرانے کی وجہ سے ہوا ہے ۔ آب دوز چکر کاٹ گئی تھی نا ۔"

"اوہ !" وہ بولے ۔

"لیکن ۔ فکر نہ کریں ۔ میرے پاس چٹان کا علاج ہے ۔"

"چٹان کا علاج ۔" فاروق فوراً بولا ۔ پروفیسر داؤد اور خان رحمان ہنس پڑے ۔

"ہاں ! چٹان کا علاج ۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی ایک زور دار جھٹکا لگا اور لانچ آگے بڑھنے کی بجائے اوپر اٹھنے لگی ۔

انسپکٹر جمشید نے انھیں اشارہ کیا کہ خاموش ہی رہیں ۔ تھوڑی دیر بعد آب دوز سطح پر ابھر آئی ۔ انھوں نے اپنے سامنے ایک ہولناک قسم کی عمودی چٹان دیکھی ۔ موجیں اس سے ٹکرا ٹکرا رہی تھیں ۔

"دیکھا ۔ لانچ کا پاش پاش ہونا ضروری تھا ۔ اب ہم سطح پر رہ کر پہلے اپنے راستے میں پہنچیں گے ، اس کے بعد پانی کے نیچے سفر شروع کریں گے ۔"

انھوں نے کوئی جواب نہ دیا ۔ آب دوز ایک سمت میں مڑ گئی ۔ اچانک ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں ۔ چٹان کے گرد چکر کاٹ کر وہ دوسری طرف پہنچے تو ساحل نظر آنے لگا ۔ ساحل دیکھ کر وہ چونکے ۔ نہ تو کیا کرتے ، لیکن یہ ساحل بھی بالکل ویران تھا ۔ دور دور تک کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا ۔ اور نہ کوئی جہاز یا کشتی موجود تھی ۔

آب دوز پوری رفتار سے ساحل کی طرف جا رہی تھی ۔ اس سے پہلے کہ ان میں سے کوئی کچھ کہتا ۔ وہ ساحل تک پہنچ گئے ۔ اباڑاک نے کچھ کہے بغیر نیچے چھلانگ لگا دی اور ریت کی طرف دوڑنے لگا ۔

"ارے ارے ۔ یہ کیا کر رہے ہو بھئی ۔" انسپکٹر جمشید نے چیخ کر کہا ، لیکن اس نے تو جیسے سنا ہی نہیں ۔

آب دوز کے اوپر اٹھتے ہی اس کا خول خود بخود ہٹ گیا تھا ۔ انھوں نے ہاتھوں اور پیروں کو حرکت دے کر دیکھا اور پھر خوش ہو گئے ۔ ہاتھ پیر ہلنے لگے تھے ۔

"آؤ بھئی ۔ ہم بھی چلیں ۔ اباڑاک فرار ہو رہا ہے ۔"

"فرار ہو رہا ہے ۔ کیا مطلب ؟" محمود بھونچکا رہ گیا ۔

"ہاں ! یہ اس بھی سی سزا سے بچنے کی کوشش کر رہا ہے ۔ جو اس کا باس اسے دینے والا ہے ۔ اس نے دراصل ایک

ہوا کھیلا ہے۔ بچ کر نکل گیا تو اس ہلکی سی سزا سے بچ جائے گا، ورنہ سخت سزا تو کہیں گئی نہیں۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

اب وہ سب کے سب اس کی طرف دوڑ رہے تھے اور وہ اس طرح دوڑ رہا تھا جیسے موت اس کے تعاقب میں ہو۔ ایسے میں پروفیسر داؤد بہت پیچھے رہ گئے۔

"خان رحمان۔ پروفیسر صاحب کی مدد کرو۔ میں نہیں رک سکتا۔ کہیں اباڑاک نکل نہ جائے۔ اگر وہ نکل گیا تو ہم یہیں بھٹک بھٹک کر مر جائیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔ تم فکر نہ کرو۔" خان رحمان نے کہا اور پروفیسر داؤد کی طرف مڑ گئے۔ اب وہ ان کی طرف دوڑ رہے تھے۔ پروفیسر داؤد نے جو انہیں دوڑ کر اپنی طرف آتے دیکھا تو گھبرا گئے اور بولے:

"یہ کیا خان رحمان۔ تم میری طرف کیوں دوڑے آ رہے ہو؟"

"آپ کی مدد کے لیے۔" خان رحمان مسکرائے۔

"لیکن یہ مدد کا کون سا طریقہ ہے؟" وہ بولے۔

اتنے میں خان رحمان ان تک پہنچ چکے تھے۔ وہ تیزی سے جھکے اور انہیں کندھے پر اٹھا لیا۔ اب وہ باقی لوگوں

کی طرف دوڑنے لگے۔

"اس طرح تو تم بہت جلد تھک جاؤ گے خان رحمان۔"

"ہاں شاید، لیکن کیا ہی کیا جا سکتا ہے۔" خان رحمان بولے۔

عین اسی وقت انسپکٹر جمشید اباڑاک سے آگے نکل گئے، پھر اس کی طرف مڑے اور ہاتھ پھیلا کر کھڑے ہو گئے:

"نن۔ نہیں۔ نہیں انسپکٹر صاحب۔ مجھے نہ روکیں۔ مجھے موت سے دور جانا ہے۔"

"موت سے دور۔ بھئی تم تو دھڑا دھڑ ناولوں کے نام اگل رہے ہو۔" فاروق چہکا۔

"گگ۔ کیا کہا؟"

"گگ۔ کچھ نہیں۔ پہلے بڑوں سے بات کر لو۔" فاروق نے جلدی سے کہا، کیوں کہ اسی وقت انسپکٹر جمشید نے اسے تیز نظروں سے گھورا تھا۔

"تم تو موت سے دور بھاگے جا رہے ہو۔ سوال یہ ہے کہ ہم یہاں کیا کریں۔ یہاں سے کہاں جائیں۔ کس سمت میں جائیں۔ ہمارے تو فرشتوں کو بھی معلوم نہیں کہ ہم کہاں ہیں، جب کہ تم شاید بہت اچھی طرح جانتے ہو۔"

"ہاں! اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ میں یہ بات جانتا ہوں

اور چوں کہ اب اس آب دوز پر سوار نہیں ہوں۔ اس لیے اب یہ بھی کہ سکتا ہوں کہ واقعی میں نے باس کو پکڑ وانے کی کوشش کی ہے۔"

"تب پھر ہمیں بھی ساتھ لے چلو۔ آخر ہم کہاں جائیں؟"

"میری طرف سے تم جاؤ جہنم میں۔" اس نے کہا، جھکائی دی اور پھر بھاگ نکلا۔ انسپکٹر جمشید نے اس کی طرف چھلانگ لگائی اور دو ہی چھلانگوں میں اس تک جا پہنچے۔

"مشکل ہے بھئی۔ بہت مشکل۔ تم دوڑ میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔" فاروق مسکرایا۔

"لیکن میں تم لوگوں کا جھنجٹ مول نہیں لے سکتا۔"

"ہائیں تم ہمیں جھنجٹ کہ رہے ہو۔ اپنے باس کے الفاظ بھول گئے۔ اس کے نزدیک ہم بہت اہم ہیں۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"ہوں گے۔ میرے لیے تو تم وبال ہو وبال۔" یہ کہہ کر اس نے پھر بھاگنے کی کوشش کی، لیکن اب انسپکٹر جمشید بھلا اسے کہاں نکلنے دے سکتے تھے۔

"نہیں بھئی۔ یا تو تم ہمیں بھی ساتھ لے کر جاؤ گے۔ یا پھر ہمارے ساتھ آب دوز میں باس تک پہنچو گے۔"

"اُف۔ میں کن سر پھروں کے درمیان پھنس گیا۔" اس نے جھنجلا کر کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں۔ ہیں ہم سر پھرے ہی۔" محمود ہنسا۔

"اچھا بابا۔ ٹھہرو۔ مجھے سوچنے دو کہ کیا کرنا چاہیے۔" اس نے تنگ آ کر کہا۔

"ہاں ہاں۔ سوچو۔ ضرور سوچو۔ سوچنے پر کوئی پابندی نہیں، کیوں ابا جان؟" فاروق بولا۔

"ہاں بالکل۔ پابندی اتنی ضرور ہے کہ جو کچھ کرنا ہے۔ جلد کرو، کیوں کہ ہو سکتا ہے۔ رولف پان اپنا کام شروع کر چکا ہو۔"

"اوہ ہاں۔ بالکل۔ اس وقت تک وہ میری موت کا حکم جاری کر چکا ہوگا۔" اس نے کہا۔

"تب پھر اب اس سے بچنے کی ایک ہی ترکیب ہے۔ اور وہ یہ کہ ہمارا ساتھ دو۔"

"تمہارا ساتھ دوں؟" اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں! رولف پان سے اگر کوئی تمہیں بچا سکتا ہے تو ہم۔"

"شاید۔ تم ٹھیک کہ رہے ہو۔" اس نے کہا اور چند سیکنڈ کے لیے گہری سوچ میں گم ہو گیا، پھر اچانک اس نے چونک کر کہا:

"ٹھیک ہے۔ میں تمہارا ساتھ دوں گا، تم میرا ساتھ دو

گے، لیکن میری ایک شرط ہے۔"

"اور وہ شرط کیا ہے؟"

"وہ شرط — ابھی بتاتا ہوں۔"

اس نے کہا اور ہاتھ جیب میں لے گیا — جب اس کا ہاتھ باہر آیا تو اس میں سیاہ رنگ کا ایک بڑا سا پستول موجود تھا، اس نے تیزی سے ایک طرف ہٹتے ہوئے اور پستول کا رُخ ان کی طرف کرتے ہوئے کہا:

"ہاتھ اوپر اُٹھا دو۔"

کمرۂ امتحان

"یہ کیا جناب اباڑاک صاحب — یہ ساتھ دینے کا کون سا طریقہ ہے؟"

"بہت ہی نادر طریقہ — تم لوگ بھی کیا یاد کرو گے۔"

"کیا یاد کریں گے — مہربانی فرما کر وضاحت کر دیں۔"

"میں نے تم سے پیچھا چھڑانے کی ترکیب آخر سوچ ہی لی۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"کیا کہا — تم نے ترکیب سوچ لی — وہ بھی فرزانہ کے ہوتے ہوئے۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب — مطلب کی بات چھوڑیں — کام کی بات کریں۔" فاروق بولا۔

"تو پھر اپنے رُخ آب روز کی طرف پھیر لو۔"

"کیا ارادہ ہے بھئی؟" انسپکٹر جمشید حیران رہ گئے۔

"تم لوگوں کو آب دوز میں بند کر کے سمندر کی سطح پر چھوڑ دوں گا — اس صورت میں تم تو کیا، تمھارے فرشتے بھی مجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

"ارے باپ رے — تم تو ہمیں چلتے پھرتے مقبرے میں بند کر دینا چاہتے ہو۔" فرزانہ نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں — یہ نام زور دار ہے — بھئی واہ — چلتا پھرتا مقبرہ۔"

"ناموں کی بھی ایک ہی کہی — ایک سے ایک نام پیش کیا جا سکتا ہے۔" فرزانہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"چلو چلو — آب دوز کی طرف چلو — تمھیں اس میں بند کرنے کے بعد ہی میں آزادانہ فرار ہو سکتا ہوں۔"

"شاید تم دولت بان کو بھول گئے۔"

"نہیں، لیکن اس کے سوا میں کچھ کر بھی تو نہیں سکتا۔" اس نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"خیر سنو — میرا فیصلہ کچھ اور ہے۔" انسپکٹر جمشید نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب، کیسا فیصلہ؟"

"یہ کہ — اب ہم جہاں بھی رہیں گے — ہمارے راستے الگ الگ نہیں ہوں گے۔"

"یہ — یہ کیسے ہو سکتا ہے — میرے ہاتھ میں پستول نظر نہیں آ رہا کیا؟"

"لو — تم فائر کرو — میں تمھاری طرف چھلانگ لگاتا ہوں۔" انھوں نے کہا اور واقعی چھلانگ لگا دی، لیکن یہ ان کا خاص طریقہ تھا — چھلانگ بظاہر ابازاک کی طرف لگائی گئی تھی، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں تھا — نتیجہ یہ کہ ابازاک نے جو فائر کیا، وُہ خالی گیا۔ باقی لوگ پہلے ہی لوٹ لگا گئے تھے — ابازاک حیران رہ گیا، شاید وُہ اپنے آپ کو بہت ماہر نشانہ باز خیال کرتا تھا —

اسی وقت انسپکٹر جمشید نے دُوسری چھلانگ لگائی اور ابازاک پر آ رہے — پستول والے ہاتھ پر ان کے دائیں ہاتھ کی ہڈی لگی — پستول اُچھلا اور محمود نے اسے کرکٹ کی گیند کی طرح کیچ کر لیا —

عین اسی وقت گولیوں کی تڑاتڑ نے انھیں چونکا دیا — گولیاں ان کے سروں پر سے گزر گئی تھیں —

"وُہ آ پہنچا۔" ابازاک خوف زدہ آواز میں چلّایا۔

انھوں نے دیکھا — ان کے سروں پر ایک بے آواز ہیلی کاپٹر کھڑا تھا — اس کی سیڑھی لٹک رہی تھی — اور سیڑھی سے چار آدمی لٹکے ہوئے فائرنگ کر رہے تھے — وُہ زمین سے چپک کر رہ گئے — گولیاں برسنے کا سلسلہ کسی طرح رُکنے میں نہیں آ رہا تھا —

اور پھر انھوں نے بے شمار دوڑتے قدموں کی آواز سنی —
حیرت زدہ انداز میں انھوں نے چاروں طرف دیکھا اور پھر ساکت
رہ گئے۔ دائرے کی صورت میں بہت سے لوگ ان کی طرف
دوڑے آ رہے تھے اور ان کے ہاتھوں میں رائفلیں اور سٹین گنیں
تھیں۔

"انسپکٹر جمشید، تم مجھے بھی لے ڈوبے" اباذاک نے ڈوبی
آواز میں کہا۔

"تم ہی بتاؤ — ہم اور کیا کر سکتے تھے — ضد پر تو تم ہی
اڑے تھے — اگر تم ہمیں ساتھ لے کر فرار ہوتے ہوتے تو شاید
اس وقت صورتِ حال اور ہوتی۔"

"لیکن اب جو صورتِ حال بنے گی — اس کے بارے میں تم
سوچ بھی نہیں سکتے" اباذاک نے منہ بنا کر کہا۔

دائرہ لمحہ بہ لمحہ تنگ ہوتا جا رہا تھا — ان کی طرف بڑھنے
والے پچاس سے زائد تھے اور پوری طرح مسلح تھے — جب کہ
ان کے پاس صرف ایک پستول تھا — اس سے اگر وہ فائرنگ
کر بھی دیتے تو جواب میں وہ سب ان پر گولیاں برسا دیتے
اور ان کے جسم چھلنی ہو جاتے؛ چنانچہ انسپکٹر جمشید نے ہاتھ
اوپر اٹھا دیے — محمود نے ہاتھ میں پکڑا ہوا پستول پھینک
دیا، پھر دائرہ ان کے چاروں طرف آ کر رک گیا — ایسے میں

ایک شخص لائن سے آگے نکلا اور بولا:

"مسٹر اباذاک — آپ کو اور ان لوگوں کو باس کے سامنے پیش
ہونا ہے" اس کے لہجے میں عجیب سا ٹھہراؤ تھا۔

"آپ — آپ کہیں راتوط تو نہیں ہیں؟" اباذاک کانپ اٹھا۔

"تمھارا اندازہ ٹھیک ہے مسٹر اباذاک" اس نے ہلکی سی
مسکراہٹ کے ساتھ کہا — انھوں نے دیکھا — اس کی آنکھیں گہرے
سبز رنگ کی تھیں — ان میں سے شعاعیں سی نکل رہی تھیں —
اباذاک کا چہرہ تاریک ہو گیا — آنکھیں بند ہوتی محسوس ہوئیں
اسی وقت انھیں جکڑ لیا گیا —

"تمھیں اب سے ایک گھنٹا پہلے باس تک پہنچنا تھا — جب تمھارے
پہنچنے میں چند منٹ کی دیر ہوئی تو انھوں نے فوری طور پر تمھاری
گرفتاری کے احکامات صادر کر دیے — کیا تم واقعی فرار ہونے
کی تیاری کر چکے تھے مسٹر اباذاک؟"

"ن — نہیں — نہیں — آب دوز موت کی چٹان تک پہنچ گئی
تھی — اس لیے فوراً اوپر اٹھنا پڑا — سب جانتے ہیں کہ اس
چٹان سے بچنے کا بس یہی ایک طریقہ ہے، لیکن جب میں اوپر
ابھرا تو ان لوگوں نے مجھے آب دوز سے اترنے پر مجبور کر
دیا" اس نے سفید جھوٹ بولا۔

"صفائی باس کے سامنے — میں تو صفائی سننے کا عادی ہی

نہیں ہوں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

یہ گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی۔ ہیلی کاپٹر اب نیچے اُتر چکا تھا۔ انھیں اس میں سوار کیا گیا اور پھر ہیلی کاپٹر اُٹھنے لگا، راٹوط ان کے پاس ہی موجود تھا اور اس کی نظریں ان پر جمی تھیں:

"یہ کیا چیزیں ہیں؟"

"یہ انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی ہیں۔ مسٹر بوٹاف نے انھیں میرے حوالے کیا تھا۔ اور حکم دیا تھا کہ ان لوگوں کو باس کے سامنے پیش کرنا ہے۔"

"پھر تم نے ایسا کیوں نہ کیا؟"

"میں ایسا ہی کرنے جا رہا تھا۔ انھوں نے مجھے باتوں میں لگا لیا اور میرے منہ سے یہ نکل گیا کہ سفر کب ختم ہوگا۔ اسی وقت باس نے ہلکی سزا کا حکم سنا دیا۔"

"اور تم نے ہلکی سزا کو سخت سزا میں تبدیل کر لیا۔" راٹوط نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

اباذاک کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا۔ ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد وہ ایک بھرے پرے شہر میں داخل ہو رہے تھے اور پھر آدھ گھنٹے بعد اس شہر کی ایک محل نما عمارت میں انھیں لایا گیا۔ انھیں راٹوط کے ساتھ کچھ دیر تک

ایک کمرے میں انتظار کرنا پڑا۔ آخر ایک اور کمرے میں لے جایا گیا۔

یہاں ایک بالکل پتلا دبلا اور ننھا منا آدمی ایک گدے دار کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے ایک چھوٹی سی میز تھی۔ میز پر صرف چند کاغذات موجود تھے۔ کمرے کے دروازے پر دو مسلح آدمی موجود تھے۔ جوں ہی وہ کمرے میں داخل ہوئے۔ ان کی نگاہیں ان کی طرف اُٹھ گئیں۔ ننھے منے آدمی کی نیلی آنکھیں ان پر جم گئیں۔ انھیں یوں لگا جیسے اس کی آنکھوں سے نظر نہ آنے والی لہریں نکل کر ان کے جسموں کے آر پار ہو رہی ہوں۔ راٹوط نے رکوع کے انداز میں جھک کر کہا:

"مجرم حاضر ہیں باس۔"

"ہوں۔ پہلے اباذاک۔ اس کے لیے کوئی سخت ترین سزا تجویز کرو۔"

"کالا کنواں کیسا رہے گا باس۔"

"بہت مناسب۔" وہ مسکرایا۔

"نن۔ نہیں۔ باس۔ نہیں۔ مم۔ میری غلطی اتنی بڑی نہیں۔"

"اتنی بڑی تھی نہیں۔ تم نے بنا لی۔ لہذا کالا کنواں ہی

مناسب ہے۔"

"رحم باس۔۔ رحم۔"

"بھئی۔۔ تم تو جانتے ہی ہو اس محل میں رحم کہاں۔" دولت بان نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

اپازاک دھڑام سے فرش پر گر پڑا اور دولت بان کی طرف ہاتھ جوڑتے ہوئے رینگنے لگا:

"میری زندگی بخش دیں باس۔۔ میں آپ کے ہر حکم پر کتوں کی طرح دُم ہلاؤں گا۔"

"یہ میرے اُصول کے خلاف ہے اپازاک۔۔ تمھاری فریاد بے کار ہے۔" اس نے پیر پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا، پھر راثوط سے بولا:

"اسے لے جایا جائے۔"

"او کے باس۔" راثوط نے کہا اور اپنے آدمیوں کو اندر بلانے کے لیے چٹکی بجائی۔۔ اپازاک اس وقت تک اور آگے بڑھ چکا تھا اور سر نیچے لٹکائے ہوئے دونوں ہاتھوں سے دولت بان کے پاؤں پکڑے ہوئے تھا۔۔ اسی وقت اسے گھسیٹ لیا گیا۔۔ وہ چیخا:

"نہیں باس۔۔ نہیں۔۔ کم از کم مجھے کالے کنوئیں میں نہ گرائیں۔۔ گولی سے اُڑا دیں۔۔ باس میری خدمات کے پیشِ نظر، مجھے گولی سے اُڑانا منظور کر لیں۔"

"نہیں اپازاک۔۔ یہ میرے اُصول کے بالکل خلاف ہے۔" دولت بان مُسکرایا۔

اپازاک نے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے آخری بار اپنے باس کو دیکھا اور پھر وہ کمرے سے باہر تھا۔۔ وہ سکتے کی حالت میں کھڑے رہ گئے۔۔ اب دولت بان ان کی طرف مڑا:

"ان لوگوں کو کیوں سانپ سونگھ گیا؟" اس کی آواز کمرے میں گونجی۔

"خوف زدہ ہو گئے ہیں۔" راثوط ہنسا۔

"آپ کا خیال غلط ہے مسٹر شاروط۔۔ ہم نے خوف زدہ ہونا نہیں سیکھا۔" فاروق گنگنایا۔

"شاروط نہیں راثوط۔" وہ جھلا اُٹھا۔

"ہمارے لیے ایک ہی بات ہے، ویسے یہ کالا کنواں کیا بلا ہے، کیا اس میں سانپ اور کنکھجورے ہیں؟"

"تم کنوئیں کا مطلب غلط سمجھے، کالا کنواں عمودی پہاڑوں کے درمیان گھری ایک بہت گہری وادی کا نام ہے۔" راثوط نے بُرا سا منہ بنایا۔

"اور اس وادی میں کیا خاص بات ہے؟" محمود نے کہا۔

"اس میں کروڑوں سُرخ چیونٹیاں ہیں۔۔ جو انسان کی بُو پا کر ان کی طرف دوڑ پڑتی ہیں۔۔ وہ پوری وادی گویا سُرخ

چیونٹیوں سے بھری ہوئی ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ انسان کے پورے جسم پر چھا جاتی ہیں ، پھر جو اس کا حال ہوتا ہے ، وہ بیان سے باہر ہے۔"

"بھئی واہ۔ تب تو یہ کنواں دیکھنے کی چیز ہے۔"

"اگر تم لوگوں نے میرے سوالات کے جوابات نہ دیے تو تمہیں بھی وہیں بھیج دوں گا۔ اس وقت تم اچھی طرح اس کنوئیں کو دیکھ لوگے۔"

"ہوں ! تب تو آپ ذرا جلدی سے اپنے سوالات کریں۔ ہم ان چیونٹیوں سے ملاقات کرنے کے لیے بری طرح بے چین ہوگئے ہیں۔"

"انسپکٹر جمشید۔ تم سے میرا پہلا سوال ہے۔ حال ہی میں تمہارے ملک اور انشاربہ کے درمیان ایک خفیہ معاہدہ ہوا ہے ، اس معاہدے کی تفصیلات کیا ہیں ؟"

"ایک معاہدہ جب ہے ہی خفیہ ، تو میں اس کی تفصیلات کیسے بتا سکتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ خفیہ معاہدے کی تفصیلات کا تمہیں علم نہیں۔" رولف بان نے کہا۔

"اور میں نے یہ کہا بھی نہیں۔" وہ مسکرائے۔

"تو پھر بتاؤ !"

"افسوس ! میں اپنے ملک کا کوئی راز نہیں بتا سکتا۔"

"ہوں۔ سوچ لو۔ کالا کنواں تمہارا مقدر بن جائے گا۔"

"پروا نہیں۔" انھوں نے کندھے اچکائے۔

"پروفیسر داؤد صاحب۔ حال ہی میں انشاربہ نے ایک بالکل نیا تجربہ کیا ہے۔ اس تجربے کے دوران آپ کو بھی وہاں بلایا گیا تھا۔ اس تجربے کی تفصیلات کیا ہیں ؟"

"میرا جواب بھی وہی ہے ، جو انسپکٹر جمشید کا۔"

"کیا آپ سوچنے اور سمجھنے کے قابل نہیں رہے۔" رولف بان نے برا سا منہ بنایا۔

"یہ عجیب و غریب اندازہ آپ نے کس طرح لگا لیا مسٹر رولف بان ؟" فرزانہ جل کر بولی۔

"مطلب یہ کہ انکار کی صورت میں تم لوگ ایک ہولناک موت کا شکار ہونے والے ہو۔ اس کے باوجود زبان نہیں کھول رہے۔"

"زبان کھولیں بھی کیسے۔ اپنے دین ، ملک اور قوم کے لیے تو ہم اپنی کھال تک ادھڑوا سکتے ہیں ، لیکن ملک پر کوئی آنچ آئے ، یہ گوارا نہیں کر سکتے۔"

"بھئی مالوطا۔ انھیں کو واپس بلا لو۔" رولف بان مسکرایا۔

"کیا فرمایا سر۔ واپس بلا لوں۔" مالوطا کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"ہاں! واپس بلا لو — جلدی کرو — ابھی وہ روانہ نہیں ہوئے ہوں گے — روانہ ہو گئے تو تمہیں ان کے تعاقب میں جانا ہوگا۔"

"او کے سر!" راتوط نے گھبرا کر کہا اور باہر کی طرف دوڑ لگا دی — جلد ہی وہ اباژاک کے ساتھ اندر داخل ہوا — اباژاک کے چہرے پر حیرت کا ایک عالم تھا۔

"بہت حیران ہو اباژاک؟" رولف بان ہنسا۔

"کیا مجھے حیران نہیں ہونا چاہیے باس۔" اس نے کہا۔

"ہاں، کیوں نہیں — تمہاری زندگی کے کچھ لمحات زیادہ ہو گئے ہیں —"

"کیا آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے باس؟" اباژاک خوش ہو کر بولا —

"کیا اس محل کے اس کمرے میں کبھی ایسا ہوا ہے اباژاک کہ کسی کو موت کی سزا سنا کر فیصلہ واپس لے لیا گیا ہو۔"

"نہیں باس — آج سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔" اباژاک کی آواز کانپ گئی۔

"تب پھر آج بھی ایسا نہیں ہوگا۔"

"جی — کیا مطلب؟"

"میں نے تمہیں اس لیے واپس بلا لیا کہ پٹرول دو مرتبہ کیوں خرچ ہو — یہ بچت کیا میرے ملک کے کام نہیں آئے گی؟"

"دو مرتبہ — میں سمجھا نہیں باس۔"

"ابھی ان لوگوں کو دیکھ رہے ہو — یہ ضد پر اڑ گئے ہیں، لہٰذا میں نے فیصلہ کیا ہے کہ کالے کنوئیں میں صرف تم کو ہی نہیں، ان لوگوں کو بھی پھینکا جائے گا — اُف — وہ لمحات بھی کتنے پُرمسرت ہوں گے — جب میں دوربین لگا کر ان کی بے بسی اور تڑپنے کا نظارہ کروں گا۔"

"اوہ!" اباژاک دھک سے رہ گیا، پھر بولا:

"میں تو یہی سمجھا تھا — باس نے مجھے معاف کر دیا۔"

"راتوط — اب ان لوگوں کو اکٹھے ہی بھیج دو۔"

"معاف کیجیے گا باس — کیا آپ نے ان لوگوں کو یہاں، اتنی دور صرف یہ دو سوال کرنے کے لیے بلایا تھا — یہ سوالات تو آپ ٹرانسمیٹر کے ذریعے کر سکتے تھے۔"

"ہاں کر سکتا تھا، لیکن ان کے علاوہ بھی مجھے ان سے بہت کچھ پوچھنا تھا — اسی لیے انہیں یہاں لانا پڑا — اب چونکہ یہ جوابات دینے پر تیار نہیں ہیں، اسی لیے — انہیں کالے کنوئیں میں ڈالنے کے علاوہ کیا کیا جا سکتا ہے۔"

"کیوں نہ پہلے میں کوشش کر لوں — شاید یہ اگلنے پر مجبور ہو جائیں۔"

"جیسے تمہاری مرضی — میں تمہیں آدھ گھنٹہ دیتا ہوں۔ آدھ

گھنٹے کے بعد بھی اگر ان لوگوں نے کچھ نہ بتایا تو، پھر انھیں وہیں سے کالے کنوئیں بھیج دینا — یہاں واپس لانے کی ضرورت نہیں، ہاں اگر یہ بتانے پر آمادہ ہو جائیں تو آکر مجھ سے وہ سوالات معلوم کر لینا۔"

"او کے سر — میں وہ سوالات معلوم کرنے ضرور آؤں گا باس، ان کے تو فرشتے بھی بول اُٹھیں گے۔" راشوطا نے پُر یقین لہجے میں کہا —

"جب کہ میرا خیال اس کے بالکل برعکس ہے۔" دولت بان نے مسکرا کر کہا۔

"آدھ گھنٹے بعد اس بات کا فیصلہ ہو جائے گا باس۔"

"ٹھیک ہے — تمھیں اجازت ہے — اپنا زور لگا لو۔"

"میں زور لگانے کا ایک نیا طریقہ اختیار کروں گا۔" راشوطا نے ہنس کر کہا۔

"اور میں وہ طریقہ نہیں پوچھوں گا۔" وہ مسکرایا۔

راشوطا انھیں لے کر ایک طرف کو چلا — مسلح پہرے دار دائیں بائیں اور آگے پیچھے چل رہے تھے — ان کے جسموں پر فولاد کی باریک زنجیریں تھیں —

"آخر آپ ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں؟" فرزانہ نے اُلجھن کے عالم میں کہا۔

"کمرۂ امتحان میں۔" اس نے کہا۔

"کیا کہا — کمرۂ امتحان میں۔" فاروق چونکا۔

"کیوں! اس میں چونکنے کی کیا بات ہے؟"

"اس لیے کہ ایک کمرۂ امتحان ہم نے بھی بنا رکھا ہے۔" فاروق بڑبڑایا۔

"بہت خوب — یہ تو اور بھی مزے دار بات ہے — تم لوگ بھی دوسروں کو اپنے کمرۂ امتحان میں لے جاتے رہتے ہو — آج تم خود ہمارے کمرۂ امتحان کی طرف لے جائے جا رہے ہو — بھئی واہ —"

مختلف برآمدوں سے گزر کر وہ ایک کمرے میں لے جائے گئے — یہاں دیواروں، میزوں اور کرسیوں کے ساتھ عجیب و غریب آلات لگے ہوئے تھے — جلاد نما لمبے تڑنگے حبشی کمرے کے مختلف کونوں میں کھڑے تھے —

"انسپکٹر جمشید — واضح رہے، اگر تم لوگوں نے کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو گولیوں سے چھلنی کر دیے جاؤ گے۔"

"گولیوں سے چھلنی ہوں یا چیونٹیوں سے، بات تو ایک ہی ہے۔" محمود نے ہنس کر کہا۔

"گویا تم زندگی سے مایوس ہو چکے ہو اور یہ خیال کر بیٹھے ہو کہ اب مرنا تو پڑ ہی رہا ہے، تو پھر کالے کنوئیں میں جا

کر کیوں مریں۔ یہاں ہی کیوں نہ جان دے دیں۔ یہی بات ہے
"نہیں! ہمارا ایک بات پر بہت پختہ ایمان ہے۔" فرز
نے جواب دیا۔
"اور وہ کس بات پر؟"
"اس بات پر کہ موت اور زندگی صرف اور صرف خدا کے
ہاتھ ہے، اگر ہماری موت کا وقت ابھی نہیں آیا تو تم ہمار
جان نہیں لے سکتے۔"
"بہت خوب، ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔ چلو۔ ان لوگوں ک
پہلی آزمائش سے گزار دو۔"
"ایسی کی تیسی۔ میں نہیں گزرتا پہلی آزمائش سے۔ مجھے
تم ابھی گولی مار دو۔" اباؤک نے چیخ کر کہا اور ایک حبشی
کی طرف جھپٹا۔
"ٹھیک ہے۔ ہم بھی آزمائش میں نہیں پڑیں گے۔" انسپکٹر
جمشید نے کہا اور ایک دوسرے حبشی پر جھپٹے۔ ان کی دیکھا
خان رحمان، محمود، فاروق اور فرزانہ بھی ادھر ادھر ہو گئے اور جو
کے سامنے جو آیا، اسی پر جھپٹ پڑے۔ ایک لمحے کے لیے
حبشی بوکھلا گئے۔ شاید ان کی زندگی میں ایسا پہلے کبھی نہیں
ہوا تھا۔
"خبردار۔ یہ لوگ جان سے ہرگز نہ مارے جائیں۔ باس

الے کنوئیں کی سزا دے چکے ہیں۔" راقوطا چلا اٹھا۔
حبشی اس کا حکم سن کر ٹھٹک گئے۔ اتنی دیر میں ان پر
ابر توڑ مکے اور لاتیں برس چکی تھیں۔ جھلاہٹ کے عالم میں
انھوں نے بھی مکے اور لاتیں چلانا شروع کر دیں۔ نتیجہ یہ کہ کمرے
میں اچھی خاصی ہڑبونگ مچ گئی۔ ادھر انسپکٹر جمشید اور ان کے
ساتھیوں کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ انھیں جان سے مارنے
سے پرہیز کیا جا رہا ہے، چنانچہ وہ اور بھی بے فکر ہو گئے۔
اور لگے بڑھ بڑھ کر ہاتھ پیر چلانے۔
اس صورت حال نے راقوطا کو پریشان کر دیا، اس نے
چیخ کر کہا:
"خبردار! میں گولی مار دوں گا، اگر تم لوگوں نے ہاتھ
نہ روکے۔"
"اب یہ ہاتھ نہیں رکنے کے جناب۔ آپ شوق سے گولی چلا
دیں۔" فاروق نے ہنس کر جواب دیا۔
"اوہ۔ تم لوگ یوں نہیں مانو گے۔ ٹھہرو، میں تمھارا
بندوبست کرتا ہوں۔"
"ضرور ضرور۔ کیوں نہیں۔ ذرا ہم بھی تو دیکھیں کہ آپ کیا
بندوبست کرتے ہیں۔" محمود خوش ہو گیا۔
"اور کیا۔ بندوبست کراتے نہیں یوں بھی تو بہت ون

ہو گئے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"ہائیں ہائیں ۔۔ یہ تم دونوں میں آج کہیں میری روح تو حلول نہیں کر گئی۔" فاروق حیران رہ گیا۔

"دو جسموں میں ایک روح ۔۔ دماغ تو نہیں چل گیا۔" محمود نے آنکھیں نکالیں۔

"آدھی آدھی گھس گئی ہو گی۔" فاروق نے فوراً کہا۔

ایسے میں فرزانہ کی نظریں پروفیسر داؤد کی طرف اٹھ گئیں اس کے منہ سے فوراً نکلا:

"ارے یہ کیا؟"

اس کی نظروں کے تعاقب میں انھوں نے بھی پروفیسر داؤد کی طرف دیکھا ۔۔ ایک حبشی دونوں ہاتھ خوفناک انداز سے پھیلائے ان کے بالکل نزدیک پہنچ چکا تھا اور اب اس کے دونوں ہاتھ ان کی گردن پر جمنے ہی والے تھے۔ انھوں نے پروفیسر داؤد کو کہتے سنا:

"ارے ارے ۔۔ بھئی ۔۔ میں اس لائن کا آدمی نہیں ہوں ۔۔ جاؤ اپنا کام کرو۔"

ان حالات میں بھی انھیں ہنسی آ گئی ۔۔ فرزانہ نے اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی اور حبشی کی قمیض سکالر کے پاس سے پکڑ کر ایک جھٹکا دیا ۔۔ وہ پیچھے کی طرف لڑکھڑایا اور جھنا کر اس کی

طرف پلٹا۔ اس وقت تک محمود فرزانہ کے نزدیک پہنچ چکا تھا ۔۔ اس نے ایک مکا تاک کر حبشی کی ناک پر مارا ۔۔ وہ دونوں ہاتھوں سے ناک تھام کر بیٹھتا چلا گیا:

"اسے کہتے ہیں شاہی مکا۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"جی ہاں ۔۔ باقی سب کے مکے تو غیر شاہی ہوتے ہیں نا۔" فاروق جل گیا ۔۔

اس وقت تک فاروق حبشی کے سر پر دو ہتھڑ رسید کر چکا تھا:

"اب آپ فکر نہ کریں انکل ۔۔ ہم آپ کے آس پاس موجود رہیں گے، تاکہ کوئی حبشی آپ کی طرف قدم بڑھانے کی جرأت نہ کر سکے۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"شکریہ ۔۔ شکریہ۔" انھوں نے خوش ہو کر کہا۔

عین اسی وقت ایک تیز الارم کمرے کے دروازے پر بجنے لگا، اس کے ساتھ ہی بے شمار دوڑتے قدموں کی آواز گونجنے لگی اور پھر لمبے چوڑے لڑاکا قسم کے جوان دھڑا دھڑ کمرے میں داخل ہونے لگے:

"ان لوگوں کو پکڑ لو ۔۔ اس طرح کہ کوئی ان میں سے حرکت بھی نہ کر سکے۔"

"او کے سر۔" وہ ایک ساتھ بولے۔

اب ان کی طرف بڑھنے والوں کی تعداد بے تحاشا ہو گئی۔

ادھر کمرے میں جگہ اس قدر کم ہو گئی کہ وہ ہاتھ پیر چلانے کے قابل بھی نہ رہے۔

جلد ہی وہ بے بس کر دیے گئے۔ انھوں نے بے چارگی کے عالم میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا، جیسے کہہ رہے ہوں۔ اب کیا کیا جائے۔

"فکر نہ کرو۔ اللہ کو یاد کرو۔" انسپکٹر جمشید ان کی پریشانی کو بھانپتے ہوئے بولے۔

"انھیں پہلی آزمائش سے گزارا جائے۔" راڈوط نے بلند آواز میں کہا۔

ان سب کو شکنجوں میں کس دیا گیا۔ پہلے انھیں میزوں پر لٹایا گیا تھا، پھر چھتوں پر لگے لکڑی کے تختے نیچے آنے لگے۔ ان تختوں میں کیلیں جڑی ہوئی تھیں۔

بُری بات ہے

انھوں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان میخوں کو اپنے جسموں کا رُخ کرتے دیکھا۔ میخیں بالکل باریک تھیں۔ سوئیوں جتنی باریک۔

"اس کا مطلب ہے۔ آج ہمارے جسم صحیح معنوں میں چھلنی ہوں گے۔ آج سے پہلے تو محاورتاً ہی ہوتے رہے ہیں۔" فاروق نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"محاورتاً بھی کہاں۔ ہمارے جسم تو ہر طرح چھلنی ہونے سے بال بال بچتے رہے ہیں۔" محمود نے منہ بنایا۔

"انسپکٹر جمشید۔ یہ آپ کے بچے بول رہے ہیں یا ان کے فرشتے؟" اباڑاک چلایا۔

"ابھی ان کے فرشتوں کی باری نہیں آئی۔" انھوں نے جواب دیا۔

"کمال ہے۔ یہ لوگ ان حالات میں بھی چہک سکتے ہیں۔" راڈوط بڑبڑایا۔

"اس میں کمال کی کیا بات ہے، یہ کام تو آپ بھی دکھا سکتے ہیں" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"کیا مطلب — میں کس طرح دکھا سکتا ہوں؟"

"مسلمان ہو کر — جب آدمی مسلمان ہو جاتا ہے تو بس اپنے اللہ سے ڈرتا ہے — اور جب انسان اپنے اللہ سے ڈرنے لگتا ہے تو باقی مخلوق اس سے ڈرنے لگتی ہے۔"

"ہم ان باتوں کو نہیں مانتے" راشوط نے منہ بنایا۔

"مانیں گے تو تب نا جب مسلمان ہوں گے — پہلے کیسے مان سکتے ہیں" فاروق نے جل کر کہا۔

"پہلے تم لوگوں کی مسلمانی تو دیکھ لیں" راشوط نے مسکرا کر کہا —

سوئیاں ان کے جسموں سے صرف نصف انچ اوپر آ کر رک گئیں۔

"کیا خیال ہے دوستو — تم لوگ ہمارے باس کے سوالات کا جواب دینا پسند کرو گے یا نہیں؟"

"جی نہیں — بالکل نہیں" محمود بولا۔

"تب پھر یہ سوئیاں تمھارے جسموں میں اترنے لگیں گی۔"

"ہم جانتے ہیں — تم لوگ ایسا ہرگز نہیں کر سکو گے، کیونکہ تم لوگوں کو ہمیں زندہ حالت میں کالے کنوئیں میں ڈالنا ہے۔"

انسپکٹر جمشید طنزیہ لہجے میں بولے۔

"فکر نہ کریں — ان سوئیوں سے تم لوگ مر نہیں جاؤ گے — ہاں، ایک عجیب قسم کی تکلیف ضرور محسوس کریں گے، کیوں کہ اس قدر زیادہ جگہوں سے خون تمھارے جسموں سے پہلے کبھی نہیں نکلا ہو گا۔"

"کاش میرا سارا خون یہیں نکل جائے اور میں کالے کنوئیں میں گرائے جانے سے پہلے مر جاؤں" اباز اک نے دعا مانگی۔

"آخر تم کالے کنوئیں سے اس قدر خوف زدہ کیوں ہو؟"

"آپ لوگوں کو ان چیونٹیوں کے بارے میں کچھ معلومات نہیں ہیں — وہ انسانی گوشت اور خون کی بہت شوقین ہیں — ان کی غذا انھیں صرف اسی وقت ملتی ہے جب باس کسی کو کالے کنوئیں کی سزا دیں — جس قدر چیونٹیاں مرتی ہیں، ان سے کئی گنا پیدا ہو جاتی ہیں، اس طرح وادی میں ان کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے — تقریباً ایک ماہ سے کنوئیں میں کوئی مجرم نہیں گرایا گیا — گویا وہ ایک ماہ سے بھوکی ہیں اور درختوں کے پتے وغیرہ کھا رہی ہیں — جوں ہی ہمیں گرایا گیا — وہ سب ہم پر ٹوٹ پڑیں گی — تم لوگ سوچ بھی نہیں سکتے — اس وقت ہمارا کیا حال ہو گا — گولی کی موت مرنا اس موت سے ہزاروں گنا آسان ہے، کیوں کہ گولی کی موت

موری نصیب ہو جاتی ہے ۔ جب کہ وہاں تڑپ تڑپ کر جان نکلے گی ۔"

"اوہ!" وہ کانپ اُٹھے ۔ یہ وضاحت خوفناک ہی اس قدر تھی ۔ عین اسی وقت سوئیاں ان کی جلد کو چھونے لگیں ۔

"اب بھی وقت ہے ۔ سوالات کے جوابات دے دو ۔"

"اس کے بعد کیا ہو گا ۔ تم لوگ ہمیں زندہ تو نہیں چھوڑ دو گے ۔" محمود نے بھنا کر کہا ۔

"کیوں نہیں ۔ ایسا ہو سکتا ہے ۔ تم لوگوں کو زندہ چھوڑا جا سکتا ہے ۔"

"اپنا ملک اپنی چند جانوں کے بدلے میں بیچ کر ہم کس منہ سے وہاں جائیں گے اور پھر وہاں جانے کا فائدہ بھی کیا ہو گا ۔ کیا خبر ان سوالات کے جوابات دینے کی صورت میں ملک کو کس حد تک نقصان پہنچے ۔ لہٰذا ہم کسی ایک سوال کا جواب بھی نہیں دیں گے ۔"

"تب یہ سوئیاں پوری کی پوری تمہارے جسموں میں اُتر کر رہیں گی ۔" راتھوڈ کا لہجہ خوفناک ہو گیا ۔

"پروا نہیں ۔ ہم اپنے ملک کا سودا نہیں کریں گے ۔" انسپکٹر جمشید نے کہا ۔

اور سوئیاں ان کے جسموں میں اُترنے لگیں ۔ اُنھوں نے آنکھیں

بند کر لیں ۔ اباڈک کے منہ سے ایک دل دوز چیخ نکلی ۔ انھیں میزوں کے ساتھ اس طرح جکڑ دیا گیا تھا کہ وہ ذرا بھی ہل جل نہیں سکتے تھے ۔ انھوں نے ہونٹ بھینچ لیے تاکہ منہ سے چیخیں نہ نکل سکیں ۔ پھر سیکڑوں جگہوں سے خون رسنے لگا ۔ میزیں خون سے رنگین ہونے لگیں ۔ سسکیاں تو وہ کسی طرح نہ روک سکے ۔ کمرہ سسکیوں سے گونجنے لگا ۔ یہاں تک کہ تختے ان کے جسموں سے آ لگے ۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ پوری کی پوری سوئیاں جسموں میں اُتر چکی تھیں ۔

"تختے اوپر اٹھا دو ۔" راتھوڈ کی آواز گونجی ۔

تختے اُٹھنے لگے ۔ سوئیاں اب جسموں سے نکل رہی تھیں ۔ ان کے نکلنے سے بھی تکلیف محسوس ہو رہی تھی ۔ ایک ایسی تکلیف جسے وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے ۔ آخر تختے اوپر اٹھ گئے اور چھت سے جا لگے ۔

"کیا ہوا راتھوڈ ۔ تم نے تختے اوپر کیوں اٹھوا لیے ؟"

"میں نہیں چاہتا ۔ تم میں سے کسی کی جان نکل جائے ۔ ان تختوں میں سوئیاں اس حساب سے لگائی گئی ہیں کہ دل محفوظ رہیں ۔ ورنہ اسی وقت تک تم لوگ ختم تھے ۔ اب جلد از جلد تم لوگوں کو کالے کنوئیں میں پھنکوانا ہو گا ۔ چلو ۔ ان لوگوں کو ویگن تک پہنچاؤ ۔" اس نے جلدی جلدی کہا ۔

"اُف خدا ۔ ابھی کالا کنواں باقی ہے۔" اباذک نے کانپتی آواز میں کہا۔

"فکر نہ کرو ۔ اب چیونٹیوں کو ہمیں چٹ کرنے میں زیادہ محنت نہیں کرنا پڑے گی ۔ سوئیوں کے ذریعے بجنے والے سوراخوں نے ان کا کام آسان کر دیا ہے۔" فاروق نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔

تھوڑی دیر بعد انھیں خستہ حالت میں ویگن میں لاد کر ایک طرف لے جایا جا رہا تھا ۔ شہر کے ہنگامے کا شور ان کے کانوں میں گونج رہا تھا ۔ آخر یہ شور ختم ہو گیا ۔ گویا وہ شہر سے نکل آئے تھے ۔

چند منٹ کے سفر کے بعد انھیں ایک ہیلی کاپٹر کھڑا نظر آیا ۔ ویگن اس کے پاس رک گئی ۔ اس کا پچھلا دروازہ کھولا گیا ۔

"تم لوگوں کو اس ہیلی کاپٹر پر چڑھنا ہے ، تاکہ ہم تمھیں کالے کنوئیں میں اتار سکیں۔"

"تو کیا اوپر سے پھینک دیا جائے گا ؟" محمود نے بوکھلا کر پوچھا ۔

"نہیں ! اس طرح تو تم گرتے ہی مر جاؤ گے ۔ تمھارے تڑپنے کا تماشا نہیں دیکھا جا سکے گا۔"

"تو تم لوگ ہمارے تڑپنے کا تماشا بھی دیکھو گے ؟"

"ہاں ! ہم سب دوربینوں کے ذریعے یہ نظارا کریں گے ، ابھی پاس کا ہیلی کاپٹر بھی آتا ہوگا ۔"

"آؤ بھئی انھیں تماشا دکھائیں۔" انسپکٹر جمشید عجیب سے لہجے میں بولے ۔

انھیں ہیلی کاپٹر میں سوار کیا گیا ۔ جسموں کا حال پتلا تھا ، خون آہستہ آہستہ رستے رستے جمنے لگا تھا ، گویا رسنا بند ہو گیا تھا ، لیکن ان گنت زخموں سے جو ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں ۔ ان کی تکلیف سے بس وہی واقف تھے ۔

"سنتے ہیں کہ مرنے والوں کی آخری خواہش بے رحم لوگ بھی پوری کرتے ہیں ۔ کیا تم لوگوں کے ہاں یہ رواج بھی نہیں ؟"

"آخری خواہش !" راٹوما نے حیران ہو کر کہا ۔

"ہاں ! آخری خواہش ، تم نے اس وادی میں اب تک نہ جانے کتنے آدمیوں کو گرایا ہوگا ۔ کیا ان میں سے کسی نے آخری خواہش کا اظہار نہیں کیا ؟"

"اس وادی کے پاس پہنچ کر لوگ ہوش و حواس کھو بیٹھتے ہیں ۔ آخری خواہش کون بیان کرے ؟"

"لیکن ہم تو بیان کرنے کے قابل ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے ۔

"اگرچہ ۔ باس نے مجھے اس قسم کی کوئی اجازت نہیں دے

رکھی ، پھر بھی میں تمھاری آخری خواہش ضرور سنوں گا ۔ ذرا دیکھوں تو سہی ۔ تم کیا چاہتے ہو ؟"

" بہت معمولی سی خواہش ۔ بس پانی پلا دیں " انسپکٹر جمشید بولے ۔

" کیا کہا ۔ پانی پلا دیں "

" ہاں ! میں نے یہی کہا ہے "

" ابا جان ۔ یہ کیسی خواہش ہے " محمود کے منہ سے نکلا ۔

" شاید تم سب کو یہ خواہش بہت عجیب و غریب لگے ، لیکن کیا کروں ۔ میری تو یہی خواہش ہے "

محمود ، فاروق اور فرزانہ حیرت زدہ رہ گئے ۔ اور سوچ میں ڈوب گئے ، کیوں کہ ان کے والد تو کئی دن تک بھوک اور پیاس کی حالت میں گزار سکتے تھے ، پھر ایسی کیا ضرورت آ پڑی تھی کہ آخری خواہش کے طور پر پانی طلب کر رہے تھے ، انھوں نے سنا ، راٹوط کہہ رہا تھا :

" انسپکٹر جمشید ۔ یہ بھی کوئی آخری خواہش ہے ۔ پانی تو ہم یوں بھی پلا سکتے ہیں ۔ نیچے اتارنے سے پہلے تمھیں خوب پانی پلایا جائے گا ، فکر نہ کرو "

ہیلی کوپٹر اوپر اٹھنے لگا ، یہاں تک کہ وادی کے عین اوپر آ گئے ۔ اب اسے نیچے اتارا جانے لگا ۔ یہاں تک کہ وہ وادی کی تہ کے نزدیک پہنچ گئے ۔ اب ہیلی کاپٹر فضا میں ٹھہر

گیا ۔ رسی کی سیڑھی نیچے لٹکا دی گئی ۔ جو زمین سے چند میٹر اوپر رہ گئی ۔

" اب ان لوگوں کو پانی پلایا جائے ۔ جتنا یہ پی سکیں "

" شکریہ مسٹر راٹوط ۔ کم از کم آپ اس حد تک ظالم نہیں ہیں جتنا کہ ہم خیال کر بیٹھے تھے ۔ ارے ہاں ۔ وہ آپ کے پاس کا ہیلی کاپٹر "

اسی وقت ایک اور ہیلی کاپٹر کی ہلکی سی آواز سنائی دی ۔ انھوں نے اوپر دیکھا تو وہ نیچے اتر رہا تھا :

" آ گئے ہیں پاس بھی " راٹوط مسکرایا ۔

اتنی دیر میں پانی کے گلاس ان کے سامنے پیش کیے گئے ، سب سے پہلے انسپکٹر جمشید نے پانی پیا ۔ وہ گلاس پر گلاس چڑھاتے چلے گئے ۔ محمود ، فاروق اور فرزانہ کی حیرت کا کیا پوچھنا ۔ ان کے بعد پانی ان کے سامنے پیش کیا گیا :

" نہیں ۔ ہمیں پیاس نہیں " محمود بولا ۔

" بری بات ہے بھئی ۔ پانی اللہ کی نعمت ہے ۔ اسے ٹھکراؤ نہیں ۔ پی جاؤ "

" جی کیا فرمایا ۔ پی جائیں " فاروق بڑبڑایا ۔

" ہاں ۔ پی جاؤ " انھوں نے فوراً کہا ۔

" ٹھیک ہے ۔ ہم پانی ضرور پییں گے " فرزانہ نے جلدی سے

کہا اور پھر کئی گلاس پی گئی — محمود اور فاروق نے بھی یہی کیا — خان رحمان نے انکار کیا تو انسپکٹر جمشید بولے:

"نہیں خان رحمان — تمہیں پانی پینا پڑے گا۔"

"تم کہتے ہو تو پی لیتا ہوں — آخری وقت میں اپنے دوست کا حکم کیسے ٹال سکتا ہوں۔" انھوں نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"اور پروفیسر صاحب — آپ بھی پانی پییں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اچھا — اچھا۔"

"انسپکٹر جمشید — کہیں کسی نے تمہارے کان میں یہ تو نہیں کہ دیا کہ خوب پیٹ بھر کر پانی پینے کے بعد یہ چیونٹیاں انسان کو کچھ نہیں کہتیں۔" راڈوط نے حیران ہو کر کہا۔

"نہیں — ایسی کوئی بات نہیں۔"

"تب پھر کیا بات ہے؟"

"بس — جی چاہ رہا ہے — خوب پانی پی لیں۔"

"لیکن تم تو دوسروں کو بھی پینے پر مجبور کر رہے ہو۔"

"اس لیے کہ میں انھیں پیاس کی حالت میں جان دیتے نہیں دیکھنا چاہتا۔"

"لیکن پانی پی کر جان دینا بھی کون سا آسان ہے؟"

"چلیے خیر — آپ کو اس سے کیا۔"

"ہاں ٹھیک ہے — ہمیں اس سے کیا۔"

خان رحمان اور پروفیسر داؤد کے بعد ابازاک کو بھی پانی دیا گیا، لیکن اس نے منہ پھیر لیا:

"میں نہیں پیوں گا۔"

"پی لو بھئی — پی لو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"نہیں پیا جائے گا، معدہ تو باہر کو اُلٹ آ رہا ہے۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"راڈوط — اب تک ان لوگوں کو اتارا کیوں نہیں گیا۔" فضا میں رولف بان کی آواز اُبھری۔

"باس — ذرا ان لوگوں کو پیاس لگ گئی تھی۔" راڈوط ہنسا۔

"پیاس لگ گئی تھی — تو پھر — ہمیں اس سے کیا۔"

"میں نے انھیں پانی پلا دیا۔"

"راڈوط — اس تکلف کی کیا ضرورت تھی — ہماری طرف سے یہ کسی حالت میں بھی جان دیں۔"

"او کے باس — چلو بھئی اب ایک ایک کر کے نیچے اُتر جاؤ۔"

"سب سے پہلے میں جاؤں گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔"

انسپکٹر جمشید رسی کی سیڑھی سے اُترتے چلے گئے — یہاں تک کہ اس کے نچلے سرے پر پہنچ کر انھوں نے ایک نظر نیچے ڈالی اور چھلانگ لگا دی — اسی وقت انھوں نے محمود کو اُترتے

دیکھا۔ جس جگہ وہ گرے، اس جگہ اور آس پاس اس وقت چیونٹیوں کا نام و نشان نہیں تھا۔ اُسی وقت محمود نے چھلانگ لگا دی۔

"تم نے اچھا کیا محمود کہ میرے بعد تم آ گئے۔ جلدی کرو۔ اپنا چاقو مجھے دو۔" انھوں نے سرگوشی کی۔

"میں آپ کی ترکیب کو بھانپ گیا تھا ابا جان، لیکن یہاں تو چیونٹیاں کہیں بھی نظر نہیں آ رہیں۔"

"ہماری بُو پا کر بلوں سے نکلیں گی۔" وہ بولے۔

محمود نے فوراً چاقو نکال کر ان کے حوالے کیا۔

"مجھے اوٹ میں لیے رہنا۔ وہ لوگ یہ اندازہ نہ کر سکیں کہ میں کیا کر رہا ہوں۔"

"جی بہتر۔" محمود نے کہا، اُسی وقت فاروق نے اُن کے قریب چھلانگ لگائی۔

"کیا تم ابا جان کی ترکیب جان چکے ہو؟" محمود نے اُس کے کان میں کہا۔

"ہاں، بالکل۔" اس نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"بس تو پھر ابا جان کو اوٹ میں لیے رہو۔"

اُسی وقت فرزانہ بھی آ کودی۔ آتے ہی سرگوشی کی:

"میں جانتی ہوں۔ آپ کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"یہ اچھا ہی ہوا کہ تم نے اندازہ لگا لیا تھا۔ ورنہ تم زیادہ سے زیادہ ایک ایک گلاس پی لیتے۔" انسپکٹر جمشید نے ان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

خان رحمان اور پروفیسر داؤد بھی نیچے اُتر آئے۔

"انکل۔ کیا آپ ابا جان کی ترکیب کے بارے میں اندازہ لگا چکے ہیں؟"

"ترکیب۔ کون سی ترکیب۔ مجھے تو یہاں دُور دُور تک کسی ترکیب کا نام و نشان تک نظر نہیں آ رہا۔" خان رحمان حیران ہو کر بولے۔

"ایک ترکیب کی کیا بات۔ یہاں تو کسی چیز کا بھی نام و نشان نظر نہیں آ رہا۔ یہاں تک کہ ان چیونٹیوں کا بھی دُور دُور تک پتا نہیں۔"

اسی وقت اباز اک دھم سے گرا اور کانپتے ہوئے بولا:

"اُف۔ ہم مارے گئے۔ ابھی وہ خوفناک چیونٹیاں آتی ہوں گی۔"

"بھئی ہمیں تو یہاں کہیں چیونٹیاں نظر نہیں آ رہیں۔" محمود بولا۔

"کیا کہا۔ نظر نہیں آ رہیں۔" اس نے کہا اور چاروں طرف دیکھا۔ ایک نظر اوپر بھی ڈالی۔ ریلی کا پٹرا اب ان کے سروں پر

موجود تھے اور ان کے پر گردش کر رہے تھے۔ وادی میں کہیں کہیں گھاس کے آثار ضرور تھے۔ دور، بہت دور ایک ٹنڈ منڈ درخت بھی نظر آیا۔

"ارے۔ وہ دیکھیے۔" فرزانہ زور سے چلائی۔ اس کی آنکھیں ایک سمت میں اٹھی ہوئی تھیں۔ ان میں دہشت کا ایک عالم تھا۔ سب نے گھبرا کر ادھر دیکھا۔ چیونٹیوں کا ایک بہت بڑا لشکر چلا آ رہا تھا۔ پہلی نظر میں انھیں یوں لگا جیسے کوئی سُرخ اور سیاہ سی چادر ان کی طرف بڑھ رہی ہو۔

"ستو بھئی۔ میں ایک ننھی سی خندق کھود چکا ہوں۔ یہ خندق ہمارے چاروں طرف موجود ہے۔ ہم اس کے اندر ان چیونٹیوں سے محفوظ رہیں گے۔"

"کیا مطلب۔ خندق کیسے کھود لی آپ نے۔ اور پھر بھلا چیونٹیوں کا یہ لشکر اس خندق کو کب خاطر میں لائے گا۔" اباذاک نے حیران ہو کر کہا۔

"ضرور لائے گا۔ دیکھتے جائیے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے، پھر انھوں نے منہ میں دو انگلیاں ڈالیں اور زبان پر زور سے چلائیں۔ انھیں ایک زور دار ابکائی آئی اور ان کے منہ سے پانی قے کی صورت نکل کر خندق میں گرنے لگا۔ خان رحمان، پروفیسر داؤد اور اباذاک کی سمجھ میں اب یہ بات آئی کہ وہ گلاس

بھر گلاس کیوں چڑھا رہے تھے۔ اور دوسروں کو کیوں مجبور کر رہے تھے۔

"حد ہو گئی۔ میں کبھی خواب میں بھی ایسی ترکیب نہیں سوچ سکتا تھا۔" اباذاک بڑبڑایا۔

"چلو بھئی۔ تم بھی باری باری پانی کی قے کرو۔" انھوں نے کہا۔

جلد ہی خندق پانی سے بھر گئی۔ چیونٹیوں کے لشکر اب چاروں طرف سے ان کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے؛ تاہم ابھی وہ خندق سے دور تھے۔

"لیکن ابا جان۔ کب تک۔ ہم ان چیونٹیوں سے آخر کب تک بچ سکیں گے۔" فرزانہ نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"کیوں۔ کیا بات ہے؟"

"آخر پانی خشک ہو جائے گا۔ ہم اور پانی کہاں سے لائیں گے۔"

"اس وقت تک ہم اس وادی میں رہیں گے کیوں؟"

"لیکن ہم تو اس خندق سے باہر قدم بھی نہیں رکھ سکیں گے، باہر نکلنے کا تو سوال کہاں۔" فاروق نے پریشان ہو کر کہا۔

"اپنے ذہن کو پریشان نہ کرو۔ بس اس بات پر یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔"

"اس میں کیا شک ہے۔" اس نے فوراً کہا۔

ان سبھی نے خندق میں پانی کی قے کی۔ خندق محمود کے چاقو کی مدد سے کھودی گئی تھی۔ وہ اوپر تک پانی سے بھر گئی — اسی وقت انھوں نے فضا میں رولف بان کی حیرت زدہ آواز سنی:

"راڈوط — یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟"

"ہم — میں خود حیران ہوں باس — یہ کیا ہے؟"

"ہم دوربینوں کے ذریعے ان کے گرد چمکتا ہوا پانی دیکھ رہے ہیں — یہ پانی اُن کے اردگرد کیوں چمک رہا ہے راڈوط — نیچے پانی کہاں سے آ گیا اور پھر وہ ایک دائرے کی صورت میں کیوں چمک رہا ہے۔"

"ایسا معلوم ہوتا ہے باس — جیسے ان لوگوں کے پاس کوئی نوکیلی چیز ہے — جس سے انھوں نے اپنے اردگرد نالی سی کھود لی اور اس میں پانی بھر لیا؟" راڈوط نے کانپتی آواز میں کہا۔

"اور یہ پانی کہاں سے لیا انھوں نے؟"

"اپنے پیٹوں میں سے — اسی لیے انسپکٹر جمشید گلاس پر گلاس چڑھا رہے تھے — اور اپنے ساتھیوں کو بھی مجبور کر رہے تھے۔"

"ہوں — اور یہ پانی انھیں تم نے پلایا تھا راڈوط؟"

"یس — یس — یس سر۔" اس نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا۔

"راڈوط — ایک بہت ہی نرم سزا سنو — تم بھی ان کے پاس پہنچ جاؤ — جو ان کا حشر ہوگا — وہی تمھارا بھی ہوگا — یہ پانی

زیادہ سے زیادہ کل تک خشک ہو جائے گا — اس کے بعد انسپکٹر جمشید پانی کہاں سے لائے گا۔"

"مم — میں — میں۔"

"کوئی جواب نہیں چلے گا راڈوط — آج کی تفریح سے میں صرف تمھاری وجہ سے محروم رہا — اب میں کب تک اس پانی کے خشک ہونے کا انتظار کر سکتا ہوں — چیونٹیاں پانی سے بھری اس گول نالی کو عبور نہیں کر سکیں گی۔"

"او کے باس۔" راڈوط نے کہا۔

ایک بار پھر رسی کی سیڑھی لٹکنے لگی اور راڈوط نیچے اترتا نظر آنے لگا —

حملہ

نچلے سرے پر پہنچتے ہی اس نے ان کے سروں پر چھلانگ لگا دی۔ وہ ادھر ادھر ہو گئے۔ ہیلی کاپٹر اوپر اُٹھنے لگے ؛

"تم لوگ تو ساتھ میں مجھے بھی لے ڈوبے ہو۔" اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

"اس میں ہمارا کیا قصور جناب۔ آخر ہمیں اپنی جان بچانے کے لیے کچھ تو ہاتھ پیر مارنا ہی تھے۔"

"لیکن۔ اب۔ اب کیا ہوگا؟"

"وہی ہوگا۔ جو خُدا کو منظور ہوگا۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"حیرت ہے۔ تم لوگوں کو ایسے میں بھی مذاق کی سوجھ رہی ہے۔"

"یہی تو وقت ہے مذاق کا، کیوں انکل؟" فاروق نے خان رحمان کی طرف دیکھا۔

"ہاں بھئی۔ نظر تو یہی آتا ہے۔" انھوں نے بے چارگی کے عالم

میں کہا۔

"تم لوگوں کی یہ ترکیب آخر کب تک چل سکے گی؟"

"جب تک چلے گی چلائیں گے۔ اور جب فیل ہوتی نظر آئے گی کوئی دوسری ترکیب کر لیں گے۔ آپ بے فکر رہیں، ہمارے پاس ترکیبوں کی کمی نہیں۔ ایک ڈھونڈو ہزار ملتی ہیں۔" یہ کہتے ہوئے فاروق نے فرزانہ کی طرف دیکھا۔

اس وقت تک کروڑوں چیونٹیاں خندق تک پہنچ چکی تھیں۔ ان کا لشکرِ جرار دیکھ کر ان کے رونگٹے کھڑے ہو چکے تھے۔ ادھر چیونٹیوں کا آگے بڑھنا رک گیا۔ ان کی اگلی صفوں کے رکنے کی وجہ سے پچھلی چیونٹیوں میں کھلبلی مچ گئی۔ شاید ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ ان کا آگے بڑھنے کا پروگرام رک کیوں گیا۔ ان کا جوش بڑھتا جا رہا تھا، لیکن سب سے اگلی چیونٹیوں نے پاؤں کچھ اس طرح جما دیے تھے کہ انھیں دھکیلا نہ جا سکا، پھر انھوں نے پیغام رسانی شروع کر دی۔ چیونٹیوں کی پیغام رسانی مشہور ہے۔ دو طرف سے آنے والی دو چیونٹیاں بھی ایک دوسرے سے علیک سلیک کیے بغیر آگے نہیں بڑھتیں۔

"آخر ہم کب تک اس خندق میں بیٹھے رہیں گے۔ اس سے نکل بھی ہم نہیں سکتے۔" فرزانہ پریشان ہو گئی۔

"دراصل آپ کا اللہ پر ایمان نہیں، اسی لیے ایسی باتیں کر رہے ہیں۔"

"اگر یہ بات ہے تو میں تمہارے خدا پر ایمان لاتا ہوں — لو۔ اب وہ مجھے بچا کر دکھائے۔"

"اس کا طریقہ یہ نہیں۔ آپ باقاعدہ مسلمان ہو جائیں۔ کلمہ پڑھیں، پھر ہم سب مل کر دعا کریں گے۔ اور اس کے بعد یہاں سے نکلنے کے لیے ہاتھ پیر بھی ہلائیں گے۔ مجھے سو فیصد امید ہے۔ ہم کامیاب ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے کلمہ پڑھاؤ۔" راٹوما نے کہا۔

"میں بھی کلمہ پڑھوں گا۔"

انسپکٹر جمشید نے دونوں کو کلمہ پڑھوایا۔ وضو کے لیے وہاں پانی کہاں تھا۔ لہذا اسی حالت میں پڑھوا لیا گیا۔ اب سب نے مل کر دعا کی۔ چیونٹیاں ابھی تک اپنی جگہ پر ڈٹی ہوئی تھیں۔

"چیونٹیاں شاید پانی خشک ہونے کا انتظار کر رہی ہیں۔" فاروق نے ان کی طرف سرسری نظر سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوہ نہیں — یہ — یہ تو پانی پی رہی ہیں۔" فرزانہ چلا اٹھی۔

"کیا کہا۔ پانی پی رہی ہیں۔" محمود بوکھلا گیا۔

"ہاں۔ انھوں نے سوچا۔ ہم اس پانی کو عبور تو کر نہیں سکیں گی، کیوں نہ پی کر ختم کر دیا جائے۔ اتنی بڑی تعداد میں

"ادھر مسٹر راٹوما کے پاس صاحب بھی چلے گئے۔"

"اب وہ میرے پاس نہیں رہے۔" راٹوما نے سرد آہ بھری۔

"ارے ارے۔ یہ آپ کیا کہ رہے ہیں؟"

"ہاں! میں نے ساری زندگی ان کی خدمت کی، ان کا ہر حکم بجا لایا اور انھوں نے میری ایک خطا کو بھی معاف نہیں کیا۔ اب جبکہ میں موت کے منہ میں دھکیل دیا گیا۔ میں انھیں اپنا پاس کیوں مانوں۔"

"ویری گڈ۔ تب آپ ہمارے ساتھی بن جائیں۔ فائدے میں رہیں گے۔" محمود مسکرایا۔

"کیا خاک فائدے میں رہوں گا۔ تم لوگ بھی مجھے نہیں بچا سکو گے۔"

"بچانے والی ذات اللہ کی ہے۔ وہ ہمیں ان چیونٹیوں کے لشکروں سے اس طرح بچا سکتا ہے کہ ایک چیونٹی بھی ہمیں نہ کاٹ سکے۔"

"میرا ذہن نہیں مانتا کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ جوں ہی پانی خشک ہو گا۔ یہ ہمیں آ لیں گی۔ اور فرض کیا۔ کسی طرح یہ چیونٹیاں رک بھی جائیں۔ تو بھی ہم اس وادی سے کس طرح نکلیں گے۔ اس کے گرد تو عمودی پہاڑ موجود ہیں۔ پہاڑ بھی بہت اونچے ہیں۔ سوائے ہیلی کاپٹر کی مدد کے ہم یہاں سے نکل بھی نہیں سکتے۔"

یہ موجود ہیں۔ اس پانی کو ختم کرنے میں دیر ہی کتنی لگے گی۔"

"ارے باپ رے۔ مر گئے پھر تو۔ انسپکٹر جمشید۔ آواز دیجیے نا اپنے اللہ کو۔"

"وہ صرف ہمارا ہی نہیں۔ آپ کا بھی اللہ ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"لیکن کیا فائدہ اس اللہ کا۔ ہم تو بے موت مر رہے ہیں۔" راڈوط نے جھلاتے ہوئے انداز میں کہا۔

"نہ نہ۔ مسٹر راڈوط۔ اللہ تعالیٰ کی شان میں ایسے الفاظ نہیں کہتے۔ اب آپ مسلمان ہو چکے ہیں۔ کلمہ پڑھ چکے ہیں۔" خان رحمان بولے۔

راڈوط نے کوئی جواب نہ دیا۔ منہ بنا کر رہ گیا۔ جلد ہی انھوں نے محسوس کر لیا کہ خندق میں پانی کم ہو رہا ہے۔ چیونٹیاں جوش و خروش سے پانی پی رہی تھیں۔ شاید وہ ان کا گوشت اور خون چٹ کرنے کے لیے بری طرح بے چین تھیں۔

"کچھ کیجیے جناب۔ ورنہ ہم گئے کام سے۔" اباذاک بولا۔

"ہمارے چاروں طرف چیونٹیاں ہی چیونٹیاں ہیں۔ وادی میں جہاں تک نظر جا سکتی ہے۔ چیونٹیاں موجود ہیں۔ مسٹر راڈوط۔ کیا آپ کے پاس سگریٹ لائٹر ہوگا؟"

"لائٹر۔ ہاں کیوں۔ لائٹر کا کیا کریں گے آپ؟"

"مہربانی فرما کر لائٹر مجھے دے دیں۔"

اس نے جیب سے لائٹر نکالا اور ان کی طرف بڑھا دیا۔

"اب ذرا اپنے کپڑے بھی اتار دیں۔"

"کپڑے اتار دوں۔"

"ہاں اوپر والے کپڑے۔" وہ بولے۔

"آپ۔ آپ کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟"

"بس دیکھتے جائیے۔" وہ مسکرائے۔ آخر اس نے قمیض اور بنیان اتار دیا۔

"وادی میں ایک ٹنڈ منڈ درخت موجود ہے۔ ہم اسے دیکھ چکے ہیں۔ پوری وادی میں مجھے اور کوئی درخت دکھائی نہیں دیا۔ میں کسی نہ کسی طرح اس درخت تک پہنچنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن آپ کس طرح پہنچ سکیں گے۔ اور پھر اگر کسی طرح پہنچ بھی گئے تو حاصل کیا ہوگا؟"

"یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں کہ حاصل کیا ہوگا۔" انھوں نے کہا، پھر اباذاک کی طرف مڑے:

"آپ بھی اپنے کپڑے اتار دیں۔"

"اچھا۔" اس نے کہا اور اوپر والے کپڑے اتار دیے۔

انھوں نے ان چاروں کپڑوں کو اپنے دونوں پیروں پر لپیٹ لیا۔ ایسا کرنے سے پہلے انھوں نے جوتے نہیں اتارے تھے، گویا یہ کپڑے جوتوں کے اوپر لپیٹے گئے تھے۔ اب انھوں

نے لائٹر جلایا اور دونوں پیروں کے نچلے حصے کے کپڑوں کو آگ
دکھا دی۔ کپڑے سلگنے لگے۔ جلنے لگے۔ دُھواں دینے لگے:

"تو بھئی۔ میں اس درخت تک جا رہا ہوں۔ تم لوگ یہیں
ٹھہر کر میرا انتظار کرو۔ میرے لیے دُعا کرنا کہ خیریت سے اس
درخت تک پہنچ جاؤں۔"

"آمین۔" انھوں نے ایک ساتھ کہا۔

انھوں نے لائٹر بجھا کر جیب میں رکھا اور ایک سمت میں دوڑ
لگا دی۔ ان کے دونوں پاؤں بجلی کی سی تیزی سے اٹھتے چلے
گئے۔ چیونٹیاں ان کے پیروں کے نیچے کچلی جاتی رہیں۔ آگ
کی وجہ سے وہ ان کے پیروں پر نہ چڑھ سکیں۔

راثوط اور اباژک کا بُرا حال تھا۔ حیرت سے ان کے منہ
کھل گئے۔ شاید انھیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

O

صرف ایک منٹ بعد انھوں نے انسپکٹر جمشید کو درخت کے
نیچے دیکھا۔ اور پھر وُہ درخت پر چڑھتے نظر آئے۔

"آخر یہ کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

"ان کی باتیں ذرا مشکل سے سمجھ میں آتی ہیں۔ یا پھر

بالکل نہیں آتیں۔" خان رحمان مسکرائے۔

"یا ذرا دیر بعد آتی ہیں۔" فاروق نے لقمہ دیا۔

"اور تم تو بولے بغیر رہ ہی نہیں سکتے۔" فرزانہ نے بُرا سا
منہ بنایا۔

"سوال یہ ہے کہ ہم اس وادی سے کیسے نکلیں گے۔ اگر ہم
ان چیونٹیوں کا کچھ بگاڑ بھی لیں یا ان سے کسی طرح چھٹکارا
حاصل بھی کر لیں۔ تب بھی۔ یہ عمودی پہاڑ کس طرح عبور کریں
گے۔" راثوط نے اُلجھن کے عالم میں کہا۔

"ہم تو پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ ان کی باتیں ذرا مشکل سے سمجھ
میں آتی ہیں۔" خان رحمان مسکرائے۔

اسی وقت انھوں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ انسپکٹر جمشید بہت
سی شاخوں کو دونوں ہاتھوں میں پکڑے ہوئے تھے۔ ان شاخوں
کے سرے تیزی سے جل رہے تھے۔ ان شاخوں کو زمین
کے ساتھ رکھتے ہوئے وُہ ان کی طرف بڑھے چلے آرہے
تھے۔ چیونٹیوں میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ ان کا راستہ تیزی سے
صاف ہو رہا تھا۔ آخر وہ ان تک پہنچ گئے۔ اور بولے

"جلدی کرو۔ ہم نے میدان مار لیا ہے۔"

"میدان مار لیا ہے۔ وُہ کیسے؟" راثوط چلایا۔

"یہ پھر بتاؤں گا۔ اس سے پہلے کہ خندق کا پانی ختم ہو،"

سب لوگ میرے پیچھے آئیں۔"

جلتی ہوئی شاخوں کے ذریعے جو راستہ بنا تھا۔ چیونٹیاں ابھی تک اس راستے کا رُخ نہیں کر سکی تھیں۔ واپسی پر بھی وُہ شاخوں کو زمین سے لگاتے چلے گئے اور آخر درخت تک پہنچ گئے۔

"خان رحمان۔ دھڑا دھڑ شاخیں کاٹنا شروع کر دو۔ سب لوگ ان شاخوں کو ہاتھوں میں لے کر آگ دکھائیں اور ان کی مدد سے چیونٹیوں کو جلانا شروع کر دیں۔"

"اوہ!" راقوط اور اباراک کے منہ سے نکلا۔

محمود کا چاقو خان رحمان نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور لگے درخت پر اسے چلانے۔ شاخوں کا ڈھیر لگنے لگا۔ اب ان میں سے ہر ایک کے پاس جلتی ہوئی شاخیں تھیں۔ اور چیونٹیاں بُری طرح بھاگ رہی تھیں۔ وہ ایک دائرے کی صورت میں درخت سے دُور ہوتے جا رہے تھے۔ پروفیسر داؤد درخت سے شاخیں اُٹھا اُٹھا کر ان کی طرف پھینک رہے تھے، جوں ہی ایک شاخ ختم ہوتی۔ وُہ دوسری سلگا لیتے۔ اس طرح یہ قافلہ آگے بڑھتا چلا گیا۔ چیونٹیاں بھاگتی چلی گئیں، لیکن ابھی منزل بہت دُور تھی۔ چیونٹیاں بے شمار تھیں۔ اور وادی کافی بڑی تھی۔

"جمشید۔ کیا ساری وادی کی چیونٹیوں کو مار کر دم لو گے؟" ایسے میں پروفیسر داؤد چلا اُٹھے۔

"تو پھر کیا کروں۔ ان کے خاتمے کے بعد ہی ہم سکھ کا سانس لے سکیں گے۔" انھوں نے جواب دیا۔

"کیوں نہ ہم لکڑیوں کا ایک دائرہ بنا لیں اور اسے آگ دکھا دیں۔ ہم اس دائرے کے اندر محفوظ رہیں گے۔" پروفیسر داؤد نے کہا۔

"لیکن چیونٹیاں بھی اس طرح محفوظ رہیں گی، پھر آگ بجھ جائے گی، زمین ٹھنڈی ہو جائے گی، چیونٹیاں پھر ہمارا رُخ کریں گی۔ کیا اس سے یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم انھیں جلاتے ہی چلے جائیں۔"

"شاید ہم ان سب کو پھر بھی نہ جلا سکیں۔" خان رحمان بڑبڑائے۔

"لیکن یہ بھی تو دیکھیں کہ ہم فوری طور پر تو ان کا لقمہ نہیں بن گے۔ کسی نہ کسی طرح ہمیں یہ رات گزارنا ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے۔ صبح [illegible] ہمارا مرشد دیکھنے ضرور آئے گا۔ اس سے پہلے پہلے ہمیں کچھ کرنا ہے۔"

"کیا کرنا ہے۔ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ چیونٹیاں سب کی سب ختم ہو جائیں۔ تب بھی ہم ان عموری پہاڑوں کو سر نہیں کر

بچتے۔"

"دیکھا جائے گا۔ ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" انسپکٹر جمشید نے کندھے اچکائے۔

آخر انھی کی ترکیب پر عمل جاری رہا۔ چیونٹیوں کا خاتمہ ہوتا رہا۔ رات گزرتی رہی۔ یہاں تک کہ دن کا اُجالا پھیل گیا۔ تمام رات انھوں نے چیونٹیوں سے جنگ میں گزار دی۔ انسپکٹر جمشید نے خان رحمان سے محمود کا چاقو لے لیا۔ وادی میں چیونٹیوں کے جلنے سے عجیب سی چرائندھ پھیل چکی تھی۔ اور ان کے لیے سانس لینا مشکل ہو رہا تھا، لیکن مرتے کیا نہ کرتے۔ سانس لینا پڑ رہا تھا۔ اور پھر سورج طلوع ہوا۔ ہوا صاف ہونے لگی۔ اسی وقت انھوں نے ہیلی کاپٹر کی گھن گرج سنی۔

"سب لوگ مُردوں کی طرح لیٹ جائیں۔" انسپکٹر جمشید چلائے۔

"مُردوں کی طرح؟" اباذاک حیران ہو کر بولا۔

"ہاں۔ دیر نہ کرو۔ ورنہ ہم کبھی یہاں سے نہیں نکل سکیں گے۔"

وہ سب کے سب اِدھر اُدھر اس طرح گر گئے، جیسے مر چکے ہوں، پھر ہیلی کاپٹر ان کے سروں پر آ رکا۔ ایک بھیانک آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی:

"ارے۔ یہ کیا۔ وادی کی چیونٹیاں کہاں گئیں۔ وہ ان کی

لاشوں کو کیوں نہیں چمٹی ہوئیں؟"

"فوراً نیچے اُتر کر دیکھو۔ کیا چکر ہے۔" ایک اور آواز اُبھری۔ جو کم از کم رولف بان کی نہیں تھی۔

"مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔"

"تم تین جنگجو ہو اور مُردہ جسموں سے ڈر رہے ہو۔" وہی آواز سنائی دی۔

"ہم ان سے نہیں چیونٹیوں سے ڈر رہے ہیں۔"

"وہ تو کہیں بھی نظر نہیں آ رہیں۔"

"اچھا۔ ہم اُترتے ہیں۔ آخر باس کو رپورٹ بھی تو دینی ہے۔"

تین آدمی اُترنے لگے۔ رسی کی سیڑھی اس حد تک نیچے لٹکا دی گئی تھی کہ ایک کھڑا ہوا آدمی آسانی سے اسے پکڑ سکتا تھا۔ جوں ہی ان تینوں کے پاؤں نیچے لگے۔ انسپکٹر جمشید بجلی کی تیزی سے حرکت میں آئے اور سب سے پہلا کام انھوں نے یہ کیا کہ رسی کی سیڑھی پکڑ لی، پھر اس کے ساتھ لٹک کر اپنے دونوں پیر ان جنگجو کے سینے پر دے مارے جو ان کی طرف پلٹ پڑا تھا۔

وہ الٹ کر گرا۔ باقی دو کے منہ کھل گئے۔ اتنی دیر میں خان رحمان، محمود، فاروق اور فرزانہ حرکت میں آ چکے تھے۔

ایک کو خان رحمان نے گھیرا، دوسرے کو ان تینوں نے ۔ راؤٹو اور اباذاک کو حیران ہونے سے فرصت نہیں تھی ۔ ادھر انسپکٹر جمشید تیزی سے سیڑھی پر چڑھ رہے تھے ۔ پائلٹ اس صورت حال سے حد درجے بوکھلا گیا تھا ۔ اسے اور تو کچھ نہ سوجھا ، ہیلی کاپٹر کو اوپر اُٹھانے لگا ۔۔۔

خبردار!

محمود ، فاروق ، فرزانہ اور خان رحمان کا کام اتنا مشکل نہیں تھا ، جتنا کہ انسپکٹر جمشید کا ۔ اوپر اٹھتے ہیلی کاپٹر کی سیڑھی پر وُہ تیزی سے چڑھ رہے تھے ۔ ادھر پائلٹ انہیں بار بار جھٹکے دے رہا تھا ۔ وہ یک دم ہیلی کاپٹر کو نیچے کرتا اور پھر اوپر اٹھا لیتا ۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح انہیں نیچے جھٹک دے ، لیکن انسپکٹر جمشید اناڑی نہیں تھے نیچے گر جاتے ۔ آخر وُہ ہیلی کاپٹر کی کھڑکی تک پہنچ گئے ۔ پائلٹ پہلے ہی دروازے بند کر چکا تھا ۔ ان کی طرف دیکھ کر مسکرایا جیسے کہ رہا ہو ۔

" یہاں تک تو پہنچ گئے ۔ اب اندر کس طرح آؤ گے ۔"

انسپکٹر جمشید نے پہلے ایک ہاتھ دروازے کے ہینڈل پر ڈالا اور پھر دائیں ہاتھ سے محمود کا چاقو سنبھالا ۔ دوسرے ہی لمحے چاقو دروازے کے شیشے کو کاٹتا چلا گیا ۔ اب جو انھوں نے

ایک مکا شیشے پر مارا تو وہ ٹوٹ کر اندر کی طرف جا گرا —
پائلٹ بوکھلا گیا —
"اگر حرکت کرو گے تو ہم دونوں ہی نیچے جا گریں گے — لہٰذا جو میں کہوں — اس پر عمل کرو" وہ غرائے۔ ان کی یہ غراہٹ خاص قسم کی تھی اور خاص موقعوں کے لیے تھی — پائلٹ کا رنگ اڑ گیا — وہ ساکت رہ گیا — اسی وقت انسپکٹر جمشید اندر داخل ہو گئے اور چاقو کی نوک اس کی گدی سے لگا دی :
"اوری ہیں اترو :"
اس نے منہ سے ایک لفظ نہ نکالا — ہیلی کاپٹر کو نیچے لے جانے لگا — اس وقت بیگ خان، محان اور چھوٹی پارٹی ان تینوں سے نبٹ چکے تھے — ہیلی کاپٹر کو نیچے اترتے دیکھ کر وہ بچوں کی طرح اچھلنے کودنے لگے — اور پھر سیڑھی زمین کے نزدیک پہنچ گئی —
"چلے آؤ بھئی — ان تینوں کو نیچے پڑا رہنے دو" وہ بولے۔
"ہاں بے چاری بچی کچی چیونٹیوں کے لیے بھی تو کچھ ہونا چاہیے" فاروق مسکرایا۔
"دھت تیرے کی" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔
وہ جلدی جلدی ہیلی کاپٹر میں سوار ہو گئے۔
"چلو بھئی — اب اوپر اٹھو" انسپکٹر جمشید بولے۔
"مسٹر راتوڈ — آپ — آپ بھی" پائلٹ ہکلا کر رہ گیا —

"ہاں بھئی — میں بھی ان کا قیدی ہوں"
"ارے ارے مسٹر راتوڈ — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں — آپ کلمہ پڑھ چکے ہیں — مسلمان ہو چکے ہیں — اب آپ ہمارے بھائی ہیں — ساتھی ہیں — ہاں، اگر آپ ہمارا ساتھ دینا پسند نہیں کرتے تو دوسری بات ہے"
"میں اور اباذاک آپ لوگوں کا ساتھ نہیں دیں گے تو کس کا دیں گے — دولت بان کے پاس تو ہمارے لیے موت کی سزا کے سوا کوئی سزا نہیں ہے"
"تب پھر آپ پوری طرح ہمارے ساتھی بن جائیں — اس طرح ہم نہایت آسانی سے یہاں سے نکل سکتے ہیں"
"ٹھیک ہے — میں تیار ہوں — اباذاک تم کیا کہتے ہو؟"
"میں تو پہلے ہی ان کا ساتھی بن چکا ہوں" اس نے کہا۔
"تب پھر پہلے ہمیں دولت بان کے پاس لے چلیں — صاف ظاہر ہے — ابھی کسی کو آپ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو گا — راتوڈ کی حیثیت سے آپ ہمیں بہت آسانی سے اس تک لے جا سکتے ہیں"
"میرا بھی یہی خیال ہے، بشرطیکہ اس نے میرے انجام کے بارے میں پورے ملک میں خبر نشر نہ کر دی ہو"
"یہ بات مسٹر پائلٹ سے پوچھی جا سکتی ہے، کیوں مسٹر؟"

"میں نے کوئی اعلان نہیں سنا:" اس نے ہنس کر کہا۔

"تو ہمارے درمیان یہ آدمی درست نہیں۔ کیا خیال ہے۔ اسے نیچے گرا دیا جائے:" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا کہا۔ نن نیچے:" پائلٹ کانپ اٹھا۔

"اور کیا کر سکتے ہیں۔ تم ہی بتاؤ:"

"مجھے معاف کر دیں۔ اب میں تم لوگوں کی ہر ہدایت پر عمل کروں گا:"

"بھئی جھوٹ نہ بولو۔ تم ایسا ہرگز نہیں کرو گے:" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں۔ یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں؟"

"میں تمہارا اندازہ لگا چکا ہوں۔ موقع ملتے ہی تم وار ضرور کرو گے، لہٰذا تم سے چھٹکارا پانا ہی بہتر ہے:"

"نن نہیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ کوئی چال نہیں چلوں گا۔"

"اچھا تو پھر ہم تمہیں باندھ کر ڈال دیتے ہیں:"

"دیکھیے۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ آپ لوگوں کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔ میں دیکھ ہی رہا ہوں۔ مسٹر راتوط جیسے آپ کا ساتھ دینے پر مجبور ہو گئے ہیں:"

"اچھا خیر۔ میں تمہاری باتوں پر اعتبار کر لیتا ہوں۔ مسٹر

راتوط۔ ہم دولت بان تک کس طرح پہنچیں؟"

"یہ اس کا خاص ہیلی کاپٹر ہے۔ ہم محل کی چھت پر اتر سکتے ہیں:"

"لیکن کیا اس طرح ہم پھنس نہیں جائیں گے؟"

"اگر میں آپ لوگوں کے ساتھ نہ ہوتا تو ضرور پھنس جاتے:"

"تو پھر چلیے:"

ہیلی کاپٹر اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہو گیا۔ آخر اسی محل نما عمارت کی چھت پر اتر گیا۔ فوراً ہی ہیلی کاپٹر کو سٹین گن والے محافظوں نے گھیر لیا۔ شاید چھت پر ہیلی کاپٹر اتارنے کی اجازت نہیں تھی، لیکن جوں ہی انھوں نے راتوط کو دیکھا، پھر ٹھٹک کر پیچھے ہٹ گئے۔

"اوہو۔ یہ تو مسٹر راتوط ہیں:"

"ہاں! میرے ساتھ کچھ قیدی ہیں جنھیں باس کے سامنے پیش کرنا ہے:"

"لیکن اس طرف سے آنے کی کیا ضرورت تھی سر؟"

"انھیں فوری طور پر پیش کرنا ہے:"

"اوہ۔ تب تو ٹھیک ہے۔ تشریف لے جائیے:"

"چلیے بھئی۔ اور ہاں۔ ہاتھ سروں سے بلند ہی رہیں گے:" یہ کہہ کر راتوط نے ایک محافظ سے پستول لیا۔ ان کے ہاتھ اٹھ گئے۔

"پائلٹ کے بارے میں کیا خیال ہے؟" فرزانہ بڑبڑائی۔

"اسے بھی ساتھ لے جانا ہوگا۔" انسپکٹر جمشید نے سرگوشی کی۔

"مسٹر پائلٹ۔ آپ بھی ساتھ چلیں گے۔"

"اوکے سر!" اس نے کہا۔ اور نیچے اُتر آیا۔

اب وہ سب لفٹ کی طرف چلے۔ انسپکٹر جمشید کی نظریں پائلٹ پر تھیں، پھر وہ رولف ہاں کے دروازے پر پہنچے۔ راتوطا نے دستک دی۔

"چلے آؤ۔" اندر سے آواز سنائی دی۔

انھوں نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوگئے۔ رولف ہان اپنی کرسی میں دھنسا ہوا تھا۔ پہلے تو اس نے ان سب پر ایک نظر ڈالی اور پھر بولا:

"ہاں راتوطا۔ کیا رہا۔ ارے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ زور سے اُچھلا۔ اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

○

چند سیکنڈ تک وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے راتوطا اور ان کی طرف دیکھا کیا، آخر خواب کی سی حالت میں بولا:

"راتوطا۔ یہ تم ہو۔ نہیں نہیں۔ تمہیں تو میں نے کالے کنوئیں میں پھنکوا دیا تھا اور ان لوگوں کو بھی، کالے کنوئیں سے تو آج تک کوئی بھی زندہ واپس نہیں آیا، تب ضرور میرے سامنے روحیں کھڑی ہیں۔"

"ہاں! ہم روحیں ہیں۔ اور آپ کی روح قبض کرنے آئے ہیں۔" راتوطا نے عجیب سی آواز منہ سے نکالی۔

"ارے باپ رے!" وہ گڑبڑا گیا۔

"آج آپ کی باری ہے باس۔ آپ نے اپنے وفادار ترین ساتھیوں کی بھی معمولی سے معمولی کوتاہی کو معاف نہیں کیا اور موت سے کم سزا انھیں نہیں دی۔ آج ان تمام سزاؤں کا آپ کو حساب دینا ہے باس۔"

"حساب دینا ہے۔ یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ مجھ سے اور اس ملک میں حساب لیا جائے گا۔"

"ہاں باس۔ آج آپ کو کمرۂ امتحان میں چلنا ہے۔ اور وہاں مرحلہ وار ایک ایک آلے سے گزرنا ہے۔"

"نن۔ نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔"

"یہ ہو کر رہے گا باس۔ کھڑے ہو جائیں۔ ورنہ ہم خود آپ کو اُٹھا لے جائیں گے۔"

"تم مجھے اُٹھا کر لے جاؤ گے۔ تم جو میرے وفادار تھے۔"

"وفادار تھا، اب نہیں ہوں — موت کی سزا سننے کے بعد کس طرح وفادار رہ سکتا ہوں۔"

"تت — تو تم — رُوحیں نہیں ہو۔"

"آپ کے لیے رُوحیں ہی ہیں — آپ کی رُوح قبض کرنے والی رُوحیں۔" فاروق نے مُنہ بنایا۔

"تت — تم — تم کالے کنوئیں سے باہر کس طرح آگئے راشوط؟" اس کے لہجے میں زمانے بھر کی حیرت تھی۔

"ہیلی کاپٹر کے ذریعے۔"

"لیکن ہیلی کاپٹر کے ڈرائیور کو ہیلی کاپٹر نیچے لے جانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"ہم مُردوں کی طرح لیٹ گئے تھے، جب کہ وہاں چیونٹیاں نہیں تھیں — انھیں اس پر حیرت ہوئی اور وہ ہیلی کاپٹر نیچے لے آئے۔"

"میں ان کی کھال کھنچوا دوں گا۔"

"اس کے لیے آپ کو وادی میں اترنا ہو گا، کیوں کہ ہم انھیں وادی میں چھوڑ آئے ہیں — ہاں پائلٹ صاحب ہمارے ساتھ ہیں، آپ کھال کھنچوانے کا شوق ان کے ذریعے سے پورا کر سکتے ہیں، لیکن اس وقت جب کہ خود آپ اپنا حساب دے دیں — لہٰذا چلیے کمرۂ امتحان کی طرف — انسپکٹر جمشید آپ کے پہلو سے لگ کر

چلیں گے، ان کے ہاتھ میں دُنیا کا انوکھا ترین چاقو ہو گا — آپ کی ذرا سی حرکت سے چاقو آپ کے دل میں اتر سکتا ہے اور آپ کا کھیل ختم ہو جائے گا — کیا سمجھے؟"

"سمجھ گیا — کیا تم نے مجھے یعنی دولف بان کو تر نوالہ سمجھ رکھا ہے؟" اس نے بُرا سا منہ بنایا۔

"تر نہیں تو خشک نوالہ ہوں گے — پروا نہیں۔" محمود نے فوراً کہا۔ فاروق نے اس کی طرف تیز نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو:

"میرے انداز میں بات کرنے کی ناکام کوشش نہ کیا کرو۔"

"ابھی تک راشوط تم بھی مجھ سے واقف نہیں ہو، پھر بھلا یہ بے چارے تو کیا واقف ہوں گے۔" یہ کہہ کر اس نے میز کے ایک کونے پر لگا نیلے رنگ کا بٹن دبا دیا — ایک تیز الارم بجا اور دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی، پھر دروازہ دھڑ دھڑایا جانے لگا —

"یہ کیا — راشوط تم دروازہ بند کر چکے ہو۔"

"ہاں باس — یہ کام تو میں نے اندر داخل ہونے کے فوراً بعد کر ڈالا تھا، اس وقت آپ میری طرف متوجہ نہیں تھے۔"

"تو پھر اب دروازہ کھول دو۔" اس نے کہا۔

"ضرور کیوں نہیں، لیکن پہلے آپ دروازے پر آنے والے

محافظوں کو حکم دیں کہ اندر کوئی گڑ بڑ نہیں ہے چلے جائیں۔"

"افسوس — میں انہیں یہ حکم نہیں دے سکتا۔"

"اس صورت میں دروازہ نہیں کھلے گا۔"

"میں دیکھتا ہوں — کیسے نہیں کھلتا۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی رولف بان اپنی کرسی سے اس طرح اچھلا جیسے اس کے پیروں میں اسپرنگ لگے ہوئے ہوں — اور تیر کی طرح دروازے کی طرف آیا، لیکن محمود بھلا ایسے میں کب چوکنے والا تھا — اس نے فوراً ٹانگ اڑا دی۔ رولف بان دھڑام سے گرا، لیکن دوسرا لمحہ حیران کن تھا — رولف بان بالکل سیدھا کھڑا نظر آیا — اس قدر برق رفتاری سے انہوں نے آج تک شاید کسی کو اٹھتے نہیں دیکھا تھا — دوسرے ہی لمحے وہ دروازے پر پھر موجود تھا — اس کا ہاتھ چٹخنی کی طرف بڑھ چکا تھا — یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید حرکت میں آئے اور آن کی آن میں اس کے نزدیک پہنچ گئے — اس کی گردن پر ہاتھ ڈال دیا اور پیچھے کی طرف جھٹکا مارا —

انہیں سو فیصد امید تھی کہ رولف بان دوسری طرف کی دیوار سے اس زور سے ٹکرائے گا کہ اس کا سر پاش پاش ہو جائے گا، لیکن ہوا صرف یہ کہ وہ چند قدم پیچھے کی طرف لڑکھڑا گیا — چٹخنی کھلتے کھلتے رہ گئی — ادھر انسپکٹر جمشید حیرت زدہ رہ گئے — کیوں کہ سنبھلتے ہی رولف بان نے ان کی پسلیوں میں ایک مکا

دے مارا تھا — انہیں یوں لگا جیسے کوئی گرز دے مارا گیا ہو — جب کہ رولف بان بالکل تنک منک سا آدمی تھا اور بمشکل ان کے کندھے تک آ رہا تھا — اس کے باوجود اس کی طاقت اور پھرتیلا پن حیران کن تھا — ان پر وار کرنے کے ساتھ ہی وہ پھر دروازے کی طرف جھپٹا، لیکن اس بار فاروق اس کے راستے میں آ گیا — دوسری طرف سے خان رحمان جھپٹ پڑے — دونوں نے اس کو بازوؤں میں جکڑ لیا، پھر نہ جانے کیا ہوا، وہ اچھل کر دور گرے، تاہم ان کی اس حرکت سے اتنا ضرور ہوا کہ انسپکٹر جمشید ایک بار پھر اس کے سامنے ڈٹے کھڑے تھے — اس نے بھی حیران ہو کر انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھا — شاید اس کا خیال یہ تھا کہ اس کا مکا کھا کر انسپکٹر جمشید دوبارہ نہیں اٹھ سکیں گے — اس لحاظ سے اس کا خیال بھی غلط ثابت ہو گیا —

"بہت خوب — مزا آ گیا — مقابلہ پُر لطف ہے — میرا خیال ہے — مجھے چٹخنی کھولنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے — میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو جائے گا — اتنا ہی کافی ہے، اگر میں کامیاب ہو گیا تو نہایت آسانی سے چٹخنی کھول دوں گا اور اگر تم کامیاب ہو گئے تو جو جی میں آئے کرنا۔" اس نے تجویز پیش کی —

"ٹھیک ہے — دروازے پر موجود محافظوں سے کہیں، اب

ان کی ضرورت نہیں رہی، واپس چلے جائیں۔"

"اچھی بات ہے۔" اس نے کہا اور دروازے کے نزدیک ہو کر چلایا:

"اب تم لوگوں کی ضرورت نہیں رہی۔ واپس چلے جاؤ۔"

"او کے باس۔" باہر سے کسی نے کہا اور ادھر انسپکٹر جمشید اور دولت بان ایک دوسرے کے سامنے آکھڑے ہوئے۔ باہر جاتے قدموں کی آواز سنائی دی۔ اچانک دولت بان اپنی جگہ سے اچھلا۔ انسپکٹر جمشید نے بھی اس کے وار سے بچنے کے لیے اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی۔ اور یہی ان کی غلطی تھی۔ دولت بان نے صرف چھلانگ لگانے کی ایکٹنگ کی تھی۔ اصل چھلانگ اس نے اس وقت لگائی جب انسپکٹر جمشید اس سے بچنے کے لیے دائیں طرف ہو چکے تھے، چنانچہ وہ ان کے اوپر گرا۔ انھیں یوں لگا جیسے کئی من کا باٹ ان کے اوپر آ گرا ہو۔ وہ دھڑام سے نیچے گرے اور ساکت ہو گئے۔

"اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ مقابلہ اس قدر جلد ختم ہو جائے گا تو میں ان غنڈوں کو جانے کے لیے ہرگز نہ کہتا۔" اس نے اس طرح ہاتھ جھاڑے جیسے گرد آلود ہو گئے ہوں اور انسپکٹر جمشید پر جھکا۔ شاید یہ دیکھنے کے لیے کہ ان میں زندگی کے آثار باقی ہیں یا نہیں۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کا حال اس وقت وہی تھا،

کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ خان رحمان اور پروفیسر داؤد بھی پتھرائی ہوئی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ دولت بان نے ان کے دل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ اس کی کلائی ایک مضبوط ہاتھ کی گرفت میں آ گئی۔ اس نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ وہ لیٹے لیٹے مسکرا رہے تھے۔ ساتھ ہی کلائی کو موڑنا شروع کیا۔ انھیں یوں لگا جیسے کسی لوہے کے بازو کو موڑنے کی کوشش کر ڈالی ہو۔ تاہم انھوں نے بھی کلائی نہیں چھوڑی:

"میرے اس بازو کو جھٹکا دینے کی دیر ہے انسپکٹر جمشید۔ تم ہوا میں اڑتے ہوئے سامنے والی دیوار سے جا کر ٹکراؤ گے اور پھر نہیں اٹھ سکو گے۔" دولت بان ہنسا۔

"پھر انتظار کس بات کا ہے۔" انھوں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اور اس کے بعد تمھارے ساتھی گھاس کے تنکے ثابت ہوں گے۔"

"دیکھیے جناب۔ ہمیں گھاس کا تنکا نہ کہیے۔ ہم آپ کے لیے ٹیڑھی کھیر ثابت ہو سکتے ہیں۔" فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

"اس وقت تو میں تمھارے باپ کے لیے ٹیڑھی کھیر ثابت ہو رہا ہوں، کیوں انسپکٹر جمشید؟"

"ایسی کوئی بات نہیں۔ میں تم جیسے نہ جانے کتنوں سے ٹکرا چکا ہوں۔ اس سے پہلے کہ تم مجھے جھٹکا دو اور میں دیوار سے جا ٹکراؤں۔ پہلے تم ایک جھٹکا کھا لو۔" یہ کہہ کر انھوں نے

اسے جھٹکا دیا اور کلائی چھوڑ دی، لیکن وہ دیوار سے نہ ٹکرا سکا۔ ہاں اس کے قدم ضرور اکھڑ گئے۔ انسپکٹر جمشید کے لیے اتنا موقع بھی کافی تھا۔ انھوں نے اس کی کمر پر ایک ٹھوکر رسید کی — بس پھر کیا تھا۔ وہ دھڑام سے گرا۔ اس کے گرنے سے ٹھک کی آواز آئی۔ اس کا جسم واقعی لوہے کی طرح سخت اور وزنی تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ پھرتیلا بھی بہت تھا۔ انسپکٹر جمشید نے اسے موقع دینا مناسب نہ سمجھا اور دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر سر سے بلند کرتے ہی زمین پر پٹخ دیا۔ اس کے منہ سے پہلی مرتبہ ایک دل دوز چیخ نکلی۔ اور وہ ساکت ہو گیا۔ صرف آنکھیں حرکت کرتی نظر آئیں۔ انھیں یوں لگا جیسے وہ ٹوٹ پھوٹ گیا ہو۔

"اٹھو بھئی۔ کیا ہوا؟"

"اب کیا اٹھوں گا۔ شاید ریڑھ کی ہڈی پر چوٹ آئی ہے۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔ اس حالت میں اسے مسکراتے دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔

"مسٹر راتھوڑا۔ کرۂ امتحان والا پروگرام ہم بعد میں کر لیں گے، ہیلی کاپٹر چھت پر موجود ہے، مسٹر رولف بان اس میں ہمارے ساتھ ہوں گے، لہٰذا یہاں سے نکلنا بہت آسان ہو گا۔ دیر کرنے کی صورت میں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔"

"ٹھیک ہے، لیکن کیا اس ہیلی کاپٹر کو نہیں روکا جائے گا؟

"نہیں — یہ مسٹر رولف بان کا خاص ہیلی کاپٹر ہے۔ اس رنگ کا کوئی اور ہیلی کاپٹر پورے ملک میں نہیں، لہٰذا اسے کوئی بھی روکنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

"ویری گڈ، لیکن مشکل یہ ہے کہ مسٹر رولف بان ہمارے ساتھ کیوں تعاون کرنے لگے۔" محمود نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ اس کا انتظام میں کروں گا۔" انھوں نے کہا، پھر اس کمرے کی تلاشی لی۔ تلاشی کے دوران انھیں محفوظ رکھے گئے کچھ کاغذات ہاتھ لگے۔

اب انھوں نے چاقو کھول لیا اور رولف بان کی پسلیوں میں اس کی نوک دباتے ہوئے بولے:

"یہ چاقو لوہے کو بھی کاٹ دیتا ہے۔ کیا سمجھے۔ اب آپ اٹھ کر کھڑے ہو جائیں۔ میں آپ کے ساتھ ساتھ چلوں گا۔ باقی لوگ بھی ہمارے ساتھ ہوں گے۔ پائلٹ صاحب پہلے ہی یہاں موجود ہیں۔ اب اٹھیے۔"

رولف بان کو اٹھنا پڑا۔ لفٹ کے ذریعے وہ چھت پر آئے، کسی کو ان پر ذرا بھی شک نہ ہوا۔ یہاں تک کہ ہیلی کاپٹر میں سوار ہو گئے۔ پائلٹ نے اپنی سیٹ سنبھال لی۔ چند منٹ بعد وہ فضا میں تھے۔ اور پائلٹ پوری طرح ان کی ہدایت پر عمل کر رہا تھا، ایسے میں انسپکٹر جمشید نے ان کاغذات کا مطالعہ شروع کر دیا۔ ان

کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

" مجھے حیرت پائلٹ ، اباژاک اور داتوط پر ہے ، انھیں کیا ہو گیا۔ یہ پوری طرح تمھاری ہدایات پر عمل کرتے کیوں نظر آ رہے ہیں ؟"

" انھیں اب کسی چاقو کی ضرورت نہیں۔ ان کے دلوں میں اسلام اپنا گھر کر چکا ہے۔ یہ مسلمان ہو چکے ہیں۔"

" کیا کہا ۔ یہ مسلمان ہو چکے ہیں ۔" دولف بان مسکرایا۔ شاید یہ خبر اس کی زندگی کی حیران کن خبر تھی۔

" ہاں ! یہی بات ہے۔"

" کمال ہے ۔ یہ کب مسلمان ہو گئے ؟" اس نے کہا۔

" مسلمان ہونا کیا مشکل ہے ۔ آپ بھی ہو سکتے ہیں ۔ اس صورت میں آپ کے تمام جرم معاف کر دیے جائیں گے۔"

" مجھے ایسا کوئی شوق نہیں ۔" اس نے جل کر کہا۔

" خیر کوئی بات نہیں ۔ مسٹر داتوط آپ کو اپنے ملک کے کمرۂ امتحان میں نہیں لے جا سکے ، لیکن آپ فکر نہ کریں ، ہم اپنے ملک کے کمرۂ امتحان کی آپ کو ضرور سیر کرائیں گے ۔ اور آپ مایوس نہیں ہوں گے ، وہ سیر آپ کے شایانِ شان ہو گی۔"

" خیال ہے تمھارا ۔ اس کمرے کے شکنجے اور دوسرے اوزار مجھے تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے۔"

" اوہو اچھا ۔ ریڑھ کی ہڈی پر چوٹ آ جانے پر بھی یہ گھمنڈ۔" محمود نے اسے گھورا۔

" خیر دیکھا جائے گا ۔ مسٹر بوٹماف ہمارے ملک کے ایک جنگل میں کیا کر رہا ہے ۔ اس چٹان نما عمارت میں کیا ہو رہا ہے ؟"

" بوٹماف سے جا کر پوچھ لینا۔"

" ہم سیدھے ادھر ہی جائیں گے ۔ فکر نہ کرو۔" انھوں نے جل بھن کر کہا۔

پھر جوں ہی وہ اپنے ملک کی حدود میں داخل ہوئے ، انھیں فضائی سگنل ملنے لگے ۔ انسپکٹر جمشید نے فوری طور پر رابطہ قائم کیا اور اپنے بارے میں بتایا۔

" ٹھیک ہے ۔ آپ جہاں جی چاہے اُتر سکتے ہیں۔"

" ہم سیدھے نون پور جائیں گے ۔ سمت بتائیے ؟"

" آپ ٹھیک سمت جا رہے ہیں۔" نیچے سے کہا گیا۔

ٹھیک آدھ گھنٹے بعد انھیں جنگل میں وہ عمارت دکھائی دینے لگی، لیکن پھر ایک تیز آواز گونجی :

" خبردار ! ہیلی کاپٹر کو ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں تباہ کیا جا سکتا ہے ۔ اپنا تعارف کرایا جائے۔"

محاورات کا بھوت

"بوٹاف۔ یہ میں ہوں رولف بان۔" انسپکٹر جمشید نے فوراً رولف بان کی آواز میں کہا۔

"کیا فرمایا۔ رولف بان۔ باس آپ، لیکن نہیں۔ یہ دھوکا بھی ہو سکتا ہے۔ آپ کو بھلا یہاں آنے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے، اس لیے اپنی شناخت کرائیں۔"

انسپکٹر جمشید نے چاقو کی نوک تقریباً نصف انچ رولف بان کے جسم کے اندر اُتار دی۔ وہ جان گیا کہ انسپکٹر جمشید ان سے کیا چاہتے ہیں، چنانچہ فوراً بولا:

"آسمان سُرخ ہے۔ اس پر ایک پرندہ ہے۔"

"اور پرندے کا رنگ کیا ہے؟" بوٹاف کی آواز آئی۔

"نیلا۔" رولف بان نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ ہیلی کاپٹر اُتار سکتے ہیں۔"

ہیلی کاپٹر نیچے اُترنے لگا۔ آخر وہ نیچے ٹک گیا۔ انسپکٹر

جمشید نے پھر رولف بان کی پسلی میں چاقو کا دباؤ بڑھایا۔ اور سرگوشی کی:

"پہلے تم نیچے اترو گے۔"

"اچھا!" اس نے کہا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

"واضح رہے مسٹر رولف بان۔ میں آپ کے بالکل پیچھے ہوں، اگر بوٹاف نے حملہ کیا تو زد میں آپ آئیں گے۔"

"ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں بوٹاف کو حملہ نہیں کرنے دوں گا۔" وہ بولا۔

جوں ہی دروازہ کھلا، بوٹاف زور سے اُچھلا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں:

"یہ کیا باس۔ انسپکٹر جمشید آپ کے پیچھے۔"

"ہاں! میں اس وقت ان لوگوں کا قیدی ہوں۔ کوئی غلط حرکت نہ کرنا۔ ورنہ ان کا چاقو میرے دل میں اتر جائے گا۔"

"چاقو اور آپ کے دل میں اتر جائے گا، یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں باس۔ چاقو تو آپ کے جسم سے ٹکرا کر مڑ جایا کرتے ہیں۔"

"ہاں، لیکن ان کے پاس ایک خاص قسم کا چاقو ہے۔" رولف بان بولا۔

"اُف۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ میں نے تو ان لوگوں

کو بے بس کر کے آپ کے پاس بھیج دیا تھا۔"

"اور یہ مجھے بے بس کر کے یہاں لے آئے ۔۔۔ میں ان سے ہار گیا ہوں بوٹاف۔"

"لیکن باس ۔۔ میں ان کے مقابلے میں ہار ماننے کے لیے تیار نہیں۔"

"اگر تم نے ان پر حملہ کیا تو یہ پہلے مجھے ختم کریں گے۔"

"تو کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ میں ان کے مقابلے میں شکست تسلیم کر لوں اور یہ عمارت ان کے قبضے میں دے دوں۔"

"اگر میری زندگی بچانا چاہتے ہو تو یہی کرنا ہو گا۔"

"لیکن کیسے ۔ عمارت ان کے حوالے کرنے کے بعد ہماری زندگیاں کس طرح بچ سکتی ہیں۔" بوٹاف حیران ہو کر بولا۔

"ہم ان سے ایک سودا کر لیتے ہیں ۔ یہ ہمیں اس ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر فرار ہو جانے کا موقع دیں ۔۔ ہم عمارت ان کے حوالے کر دیتے ہیں ۔ اگر انھوں نے یہ سودا منظور نہ کیا تو اس صورت میں کچھ نہیں کہا جا سکتا ۔ کیا ہو گا ۔ ہو سکتا ہے، بازی تمھارے ہاتھ رہے ۔ یا یہ جیت جائیں ، لیکن میری تجویز کے مطابق ان لوگوں کو کم از کم اس عمارت پر قبضہ مل جائے گا ۔ رہے ہم ۔۔ ہم ایسی عمارت پھر بنا لیں گے۔"

"ہوں ۔ مجھے سوچنے کی مہلت دیں۔" بوٹاف نے کہا۔

"بوٹاف ۔ اس میں سوچنے کی کیا بات ہے ۔ میں تمھارا باس ہوں۔"

"آپ میرے باس ضرور ہیں ، لیکن اس وقت دشمن کے قبضے میں ہیں۔"

"خیر ۔ تم خود کر لو۔" دولت بان نے بے چارگی کے عالم میں کہا ۔

چند لمحے بعد اس نے کہا ،

"ٹھیک ہے ۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے ، میں آپ کی جان ضرور بچاؤں گا ۔ آپ ہمارے ملک کے لیے بہت قیمتی ہیں ۔ ایسی عمارت تو ہم پھر بنا لیں گے۔"

"لیکن ۔ آپ نے ابھی میرا خیال نہیں پوچھا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے ۔

"ہاں ضرور ۔ آپ بتائیے ۔ آپ کیا کہتے ہیں؟"

"مجھے یہ سودا منظور نہیں ۔ میں تم دونوں کو فرار ہونے کا موقع نہیں دے سکتا ۔ میں یہ کس طرح برداشت کر سکتا ہوں کہ تم دونوں اپنے ملک جا کر پھر میرے ملک کے خلاف سازش میں مصروف ہو جاؤ۔"

"اوہ!" دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"گویا تم مقابلہ چاہتے ہو۔" بوٹاف غرایا ۔

"مجھے مقابلہ کرنے کی بھی ضرورت نہیں، اگر تم نے ہاتھ اوپر نہ اٹھائے اور خود کو ہمارے حوالے نہ کیا تو تمھارے باس کی لاش تمھارے قدموں میں تڑپ رہی ہوگی۔ فیصلہ کرنے کے لیے میں تمھیں صرف ایک منٹ دیتا ہوں۔"

بوتاف کی پیشانی پر الجھن کے آثار اُبھر آئے۔ اس نے جلدی سے رولف بان کی طرف دیکھا۔

"سوچ کیا رہے ہو بوتاف۔ ہاتھ اُٹھا دو۔ میری موت ہمارے ملک کے لیے بہت نقصان دہ ثابت ہوگی۔"

"ہاتھ اٹھا کر بھی ہم موت سے نہیں بچ سکیں گے۔"

"کیوں انسپکٹر جمشید۔ اس صورت میں ہماری زندگیوں کی کیا ضمانت ہے۔" رولف بان ان کی طرف مڑا۔

"میں صرف اس قدر ضمانت دے سکتا ہوں کہ میرے ہاتھوں تم لوگ نہیں مارے جاؤ گے۔ ہاں قانون اگر تمھیں موت کی سزا سُنا دے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"ہوں! ٹھیک ہے بوتاف۔ اس طرح ہمیں مہلت مل جائے گی، انسپکٹر جمشید اپنی زبان کے پکے ہیں۔ یہ ہمیں اپنے ملک کی پولیس کے حوالے کرنے کے سوا کچھ نہیں کریں گے۔"

"لیکن باس۔ میں پھر بھی خود کو ان کے حوالے نہیں کر سکتا، اس عمارت پر میں نے بہت محنت کی ہے۔" بوتاف بولا۔

"ایک منٹ پورا ہونے میں صرف دس سیکنڈ باقی ہیں۔"

"بوتاف۔ جلدی کرو۔ مجھے مرنے سے بچا لو۔" رولف بان نے چیخ کر کہا۔

"مجھے افسوس ہے باس۔ میں اس عمارت کا سودا نہیں کر سکتا۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے عمارت کے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ اس وقت تک وہ دروازے کے باہر کھڑے گفتگو کرتے رہے تھے۔ ادھر محمود کا چاقو رولف بان کے دل میں اتر گیا۔ اس کے حلق سے ایک بھیانک چیخ نکلی۔ اور وہ نیچے گر پڑا۔ انسپکٹر جمشید نے بھی فوراً چھلانگ لگائی۔ اور عمارت کے دروازے پر پہنچ گئے، اس وقت تک بوتاف اندر داخل ہو چکا تھا۔ انھوں نے دباؤ ڈالا تو دروازہ اندر سے بند تھا۔

○

"لو بھئی۔ اس نے دروازہ بند کر لیا۔"

"لیکن کب تک ابا جان۔ ہم اس عمارت کو گھیرے میں لینے کا انتظام کیے دیتے ہیں۔ آخر وہ بھوک اور پیاس سے تنگ آ کر نکل آئے گا۔"

"نہیں بھئی — میں اس قدر لمبا انتظار کرنے کا عادی نہیں — فاروق تم اس بلب تک پہنچ جاؤ جس کے ذریعے دروازہ کھلے گا۔"

"لیکن ابا جان — جوں ہی ہم اندر داخل ہوں گے — وہ گیس چھوڑ دے گا — اور ہم ایک بار پھر بے بس ہو جائیں گے۔"

"پروا نہ کرو۔" انھوں نے کہا۔

"جی بہتر — نہیں کرتا پروا — یہ لیجیے میں چلا۔" اس نے کہا اور اوپر چڑھنے لگا — دیکھتے ہی دیکھتے وہ اس بلب تک جا پہنچا — اس نے شیشے کا غلاف اٹھایا اور بلب کو حرکت دی، فوراً ہی وہ روشن ہو گیا؛

"ٹھیک ہے فاروق — نیچے آ جاؤ — دروازہ کھل گیا ہے۔"

"جی بہت بہتر۔" اس نے کہا اور تیزی سے نیچے اترنے لگا — آخر قریب پہنچ کر اس نے چھلانگ لگا دی — اب وہ عمارت کے کھلے دروازے میں داخل ہوئے — دروازہ فوراً ہی بند ہو گیا۔

"ارے — یہ کیا — دروازہ تو بند ہو گیا۔"

"خود بخود نہیں ہو گیا — بوٹان نے بند کیا ہے۔"

"ہوں! خیر چلیے — اب اوکھلی میں سر دیا تو موسلوں کا کیا ڈر۔" فاروق نے کہا۔

"مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم آسمان سے گر

کر کھجور میں اٹک گئے ہیں۔" محمود بولا۔

"اور میں یہ محسوس کر رہی ہوں کہ عمارت کا بھوت ہم پر حملہ آور ہونے کی کوشش کر رہا ہے — مہربانی فرما کر خود کو اس کے وار سے بچاؤ — ابھی ہمیں بوٹان کے وار سے بھی بچنا ہے۔" فرزانہ نے گھبرا کر کہا۔

"مجھے سب سے زیادہ فکر اس گیس کی ہے — بے بس ہونے کے بعد ہم کیا کر سکیں گے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"اللہ مالک ہے — جمشید نے عمارت میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا ہے تو کچھ سوچ کر ہی کیا ہوگا۔" خان رحمان نے کہا۔

"مجھے تو بس ایک ہی دھن سوار ہے — اور وہ یہ کہ کسی طرح اس عمارت کا راز معلوم ہو جائے — چاہے ہم اس گیس کے ذریعے بے بس ہی کر دیے جائیں۔"

"اس صورت میں راز معلوم کرنے کا کیا فائدہ ہوگا۔" فاروق حیران رہ گیا —

"چلو — اور کچھ نہیں تو — ہماری الجھن تو دور ہو ہی جائے گی۔"

وہ آگے بڑھتے چلے گئے — یہاں تک کہ اس کمرے میں داخل ہوئے جس میں بوٹان سے سامنا ہوا تھا — ساتھ ہی ان کے نتھنوں سے وہی گوشت کی بو ٹکرائی — انھوں نے پوری کوشش کی کہ خود کو اس گیس سے بچا لیں، لیکن کب تک —

آخر گیس کو نتھنوں کے اندر لے جانا پڑا ـ اور ساتھ ہی انھوں نے ہاتھوں پیروں کی جان نکلتے محسوس کی ـ

"لیجیے ابا جان ـ آپ کی خواہش پوری ہو گئی" فاروق نے منہ بنایا ـ

"لیکن اس مرتبہ میں تم لوگوں کو اپنے ملک نہیں بھیجوں گا ـ بلکہ اس جنگل میں دفن کرا دوں گا، تاکہ کسی کو پتا تک نہ چلے ـ تم لوگوں کے ساتھ کیا بیتی"

"بہت اچھی ترکیب ہے، مہربانی فرما کر اس سے پہلے یہ ضرور بتا دیں کہ اس عمارت میں کیا ہو رہا ہے؟"

"اچھا ـ اس بار تمھاری یہ خواہش بھی پوری کر دی جائے گی" بوناف ہنسا۔

"کیا آپ کو اپنے باس کے مارے جانے کا کوئی افسوس نہیں؟"

"نہیں ـ افسوس کیسا ـ زندگی کی یہ لائن اسی قسم کی ہے ـ اس لائن میں لوگ کام آتے ہی رہتے ہیں، بلکہ مجھے تو باس کے مرنے کی بہت خوشی ہے"

"کیا کہا ـ بہت خوشی ہے"

"ہاں! اس لیے کہ اب اپنے ملک میں ان کی جگہ مجھے ہی ملے گی ـ ان کا نائب میں ہی ہوں ـ اس منصوبے کی تکمیل میں اب زیادہ دیر نہیں لگے گی!"

"آخر یہ منصوبہ کیا ہے؟"

"خانہ جنگی کا منصوبہ"

"خانہ جنگی کا منصوبہ ـ کیا مطلب؟" وہ اچھل پڑے۔

"منصوبہ یہ ہے کہ تمھارے ملک کے ہر شہر میں خانہ جنگی شروع ہو جائے ـ پورے ملک کے عوام دو گروہوں میں بٹ جائیں ـ اور اس قدر مخالفت ان کے درمیان ہو جائے کہ وہ ایک دوسرے پر قاتلانہ حملے کرنے لگیں"

"اوہ ـ لیکن یہ سب کچھ کس طرح ہو گا ـ اور اس عمارت سے بھلا اس سلسلے میں کیا کام لیا جا رہا ہے؟"

"یہ عمارت دراصل اس منصوبے کی تربیت گاہ ہے ـ میں ابھی وضاحت کر دیتا ہوں"

یہ کہہ کر اس نے میز پر لگا ایک بٹن دبایا ـ فوراً ہی آٹھ آدمی اندر داخل ہوئے ـ یہ آٹھوں دو مختلف قسم کے لباسوں میں تھے ـ یعنی ان میں سے چار کا لباس ایک طرح کا تھا اور باقی چار کا لباس دوسری طرح کا تھا ـ دونوں قسم کے لباس البتہ ملکی ہی تھے ـ ان کے ہاتھوں میں بڑے بڑے پستول اور بالکل نئی رائفلیں تھیں ـ

"یہ چار شیخ ہیں ـ اور یہ چار پٹھان ـ ایک پٹھان ایک دن شارع عام پر ایک شیخ سے لڑ پڑے گا اور اسے قتل

کی دھمکی دے کر چلا جائے گا۔ دوسرے دن ایک شیخ کی لاش شہر کے ایک چوک سے ملے گی۔ شیخ لوگوں میں غم، غصے اور انتقام کی آگ بھڑک جائے گی۔ وہ پٹھانوں سے انتقام کا اعلان کریں گے۔ دوسرے روز تین چار پٹھان ایک سڑک پر مردہ ملیں گے۔ ان کے جسموں میں گولیاں اتری ہوں گی۔ اس طرح پٹھان لوگ آگ بگولا ہو کر شیخوں پر ٹوٹ پڑیں گے۔ یہ میں مثال کے طور پر بتا رہا ہوں۔ اس طرح ہر شہر میں انتقام کی ایک مصنوعی آگ بھڑکا دی جائے گی۔ اور اس آگ کو ہوا میں دوں گا۔ ایک ایسی ہوا جو آندھی کی صورت اختیار کر جائے گی۔ اس آندھی کو کوئی نہیں روک سکے گا۔ پورا ملک خون کی ہولی کھیلتا نظر آئے گا۔"

"لیکن یہ سب ہو گا کس طرح۔ ان آٹھوں میں سے دو تین آخر کس طرح گولیاں کھانا پسند کر لیں گے؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"تم نہیں سمجھے۔ یہ تو صرف بازار میں لڑیں گے اور دھمکیاں دے کر چلے جائیں گے۔ دوسرے دن لاش اسی چوک پر ایک شیخ کی ملے گی۔ یعنی اس کا لباس اور وضع قطع شیخوں جیسی ہو گی۔ دوسرے دن جو پٹھان ہلاک شدہ ملیں گے۔ وہ بھی اور لوگ ہوں گے۔ ان کا بندوبست بھی اس عمارت میں کر

لیا گیا ہے۔ چند لوگوں کو ہلاک کر کے سڑکوں پر ڈالنا ہے۔ اس کے بعد تو کام خود بخود ہی چالو ہو جائے گا۔ کیا خیال ہے؟"

"اوہ۔ بہت بھیانک منصوبہ ہے، لیکن اس منصوبے میں ایک کمی ہے۔" فرزانہ نے کچھ سوچ کر کہا۔

"کیا کمی ہے؟" برٹاف مسکرایا۔

"یہ کہ ان لوگوں کے پاس اس قدر اسلحہ کہاں سے آئے گا، یہ لوگ قتل اور خون کا بازار کن ہتھیاروں سے گرم کریں گے؟"

"اس کی تیاری بھی کر لی گئی ہے۔ یہ عمارت بلاوجہ تو یہاں نہیں بنائی گئی۔ اس عمارت میں جدید ترین اسلحے کا ایک اتنا بڑا ذخیرہ ہے جو تمہارے پورے ملک کو آگ اور خون کی لپیٹ میں لے لے گا۔"

"اور یہ اسلحہ تم اپنے ملک سے لائے ہو؟" فاروق پریشان ہو گیا۔

"ہاں؛ لایا ضرور ملک سے ہوں، لیکن بنا ہوا میرے ملک کا نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟" خان رحمان نے چونک کر کہا۔

"مطلب یہ کہ اسلحہ تمہارے دوست ملک انشاریہ کا بنا ہوا ہے۔ تاکہ آخر میں یہ نتیجہ نکالا جا سکے کہ اس ساری فساد جنگی میں انشاریہ کا ہاتھ ہے۔ اس طرح بچے کھچے لوگ بھی انشاریہ

سے متنفر ہو جائیں گے اور تمہارا ملک اس ن مدد سے محروم ہو جائے گا۔ اور اس ملک میں کوئی دم خم نہیں رہ جائے گا۔"

"سوال یہ ہے۔ کہ تم ایسا کیوں چاہتے ہو؟"

"یہ خواہش ہماری کم اور ہمارے دوست ملک شارجستان کی زیادہ ہے۔ اس کی خواہش پر ہم نے اس منصوبے پر کام شروع کیا تھا۔ اب تو ہم اپنا کام بالکل مکمل کر چکے ہیں — مختلف شہروں میں تربیت یافتہ لوگ بھیج دیے گئے ہیں۔ بس کام شروع کرنے کی تاریخ کا اعلان باقی ہے۔ جس دن دارالحکومت میں پہلا واقعہ ہوگا، گویا وہ کام شروع کرنے کی تاریخ کا اعلان ہوگا اور پھر ہر شہر میں کام شروع ہو جائے گا — ہمارے ایجنٹ الوسٹے داموں فروخت کریں گے۔ جو ہاتھوں ہاتھ خرید لیا جائے گا۔ اور پھر اسے دھڑا دھڑ استعمال کیا جائے گا۔"

"تو تم نے اس جنگل سے شکاریوں کو دور رکھنے کا پروگرام بھی اسی لیے بنایا تھا، تاکہ شکاری لوگ اس عمارت کی طرف متوجہ نہ ہوں۔"

"ہاں! یہی بات تھی۔ اور اب چونکہ میں تم لوگوں کو ساری باتیں بتا چکا ہوں۔ اس لیے اب تم لوگ بھی دوسری دنیا میں پہنچ جاؤ۔ اس بات کا مجھے افسوس رہے گا کہ تم یہ خاد جنگل اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکے، لیکن اب میں تم لوگوں کو زندہ بھی تو نہیں چھوڑ سکتا، تمہارا زندہ رہنا اس منصوبے کے لیے خطرناک ہوگا۔"

"اور اس گیس کا اثر تم پر کیوں نہیں ہوتا؟"

"ہاں۔ یہ گیس۔ اس کے بارے میں بھی سن لو۔ یہ ہمارے ملک کے ایک سائنس دان کی بالکل نئی ایجاد ہے۔ اس کی بو گوشت کے جلنے کی سی ہے۔ آدمی اس سے بچنے کی کوشش نہیں کرتا اور بے تحاشا اسے اپنے نتھنوں میں داخل کر لیتا ہے اور یہ جسم کو کئی گھنٹوں کے لیے بے کار کر دیتی ہے۔ اس سے محفوظ رہنے کی ترکیب اس قدر آسان ہے کہ آدمی سوچ بھی نہیں سکتا۔ گیس چھوڑنے سے پہلے چند بہت گہرے سانس لے لیے جائیں اور بس۔"

"ارے۔" ان کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

سنبھالو انھیں

وہ دھک سے رہ گئے — سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ گیس سے بچنے کی ترکیب اس حد تک آسان ہو سکتی تھی، لیکن یہ اسی صورت میں ممکن تھا جب انھیں یہ بات معلوم ہوتی —

"لیکن جہاں تک ہمیں یاد ہے — دوسری مرتبہ گیس چھوڑتے وقت آپ نے اس کمرے میں موجود اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا تھا اور وہ اپنے ہاتھ جیبوں میں لے گئے تھے؟"

"ہاں! لیکن یہ محض دکھاوا تھا، تاکہ آپ یہ خیال کرتے رہیں، انھوں نے گیس سے بچنے کے لیے جیبوں میں کچھ کیا ہے، جب کہ تم لوگوں کو یاد ہوگا — میں نے جیب میں ہاتھ نہیں ڈالا تھا۔"

"اوہ ہاں!" محمود بولا۔

"کاش ہمیں یہ بات معلوم ہوتی اور ہم لمبے لمبے سانس لے لیتے — اس وقت بے بس تو نہ کھڑے ہوتے۔"

"لیکن یہ بات تم لوگوں کو معلوم کیوں ہوتی — میں نے بتائی

اس وقت جب تم بے بس ہو چکے ہو۔"

"اب — اب کیا ہوگا ابا جان؟"

"جو خدا کو منظور ہوگا — وہی ہوگا۔"

"سنبھالو بھئی انھیں — اس سے زیادہ آسان شکار تم لوگوں کو شاید اب تک نہیں ملا ہوگا۔" بوٹان نے ہنس کر کہا۔

وہ آٹھوں ان کی طرف بڑھے، انھوں نے پستول اور رائفلیں ایک طرف رکھ دیں۔

"جنگل میں گڑھا کھود کر انھیں زندہ دفن کر دو۔" بوٹان نے حکم دیا —

"او کے سر۔" ان میں سے ایک بولا۔

وہ آٹھوں ان کی طرف بڑھے — ابھی نزدیک نہیں پہنچے تھے کہ فاروق نے گھبرا کر کہا:

"ایک منٹ — ایک بات تو رہ ہی گئی۔"

"کون سی بات رہ گئی؟" بوٹان حیران رہ گیا۔

"وہ — ارے — لو — وہ تو ذہن سے نکل بھی گئی — وقت برے کی — معاف کرنا محمود — میں تمھارا تکیہ کلام بول گیا — دوسری دنیا میں میرا گریبان نہ تھام لینا۔"

"شاید موت کے خوف نے اس کا دماغ الٹ دیا ہے — اسی لیے اوٹ پٹانگ ہانک رہا ہے۔" بوٹان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"آج تک تو ایسا نہیں ہوا۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"کیوں نہیں ہوا؟" اس نے پوچھا۔

"ایسا۔ کہ موت کے خوف سے اس کی ذہنی رو بہک گئی ہو۔"

"لیکن آج ایسا ہو گیا ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ واقعی اس مرتبہ تمہارا آخری وقت آ پہنچا ہے۔"

"ارے باپ رے۔ آپ تو ہمیں ڈرائے دے رہے ہیں۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"جب کہ موت سے ڈرنے والے اسے آسان نہیں ہم۔" فرزانہ گنگنائی۔

"اپنے بھائی کی طرف دیکھو۔ اب تو شاید اس کی زبان بھی گنگ ہو گئی ہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں جناب۔ دراصل میری زبان وہ بات سوچنے کے سلسلے میں گنگ ہوئی ہے۔ لیجیے یاد آ گئی۔ ہوٹل ابرار سے آپ کا کیا تعلق ہے؟"

"اس ہوٹل کا تعلق بھی ہمارے ملک سے ہے۔ اس کے ذریعے ہم منشیات کا کاروبار کرتے ہیں، لیکن موجودہ منصوبہ منشیات سے کہیں زیادہ زور دار اثر پذیر ہے۔ اب ہمیں منشیات کا چکر چلانے کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔" اس نے خوش ہو کر کہا، پھر جلدی سے بولا:

"لو بھئی۔ اب تو اس سوال کا جواب بھی دے دیا گیا۔

لے جاؤ بھئی انہیں۔"

وہ آٹھوں ایک بار پھر آگے بڑھے، پھر جوں ہی ان میں سے ایک نے انسپکٹر جمشید کو اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھائے۔ اس کی ٹھوڑی پر اس قدر زور دار مکا لگا کہ وہ دوسری طرف الٹ گیا۔ اس سے پہلے کہ باقی سات سنبھلتے۔ ان میں سے تین اور اپنے ٹھوڑیوں کو پکڑ کر زمین بوس ہو چکے تھے۔ بقیہ چار نے حیرت زدہ انداز میں اس منظر کو دیکھا، اتنے میں انسپکٹر جمشید ان کے سروں پر بھی حملہ آور ہو چکے تھے اور ان کے ہاتھ اور پیر کچھ اس قدر تیزی سے چل رہے تھے گویا بجلی کوند رہی ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ آٹھوں ڈھیر ہو گئے۔ اب انسپکٹر جمشید بوٹان کی طرف بڑھے۔ بوٹان جو حیرت کا بت بنا کھڑا تھا۔ شاید اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

○

"یہ۔ یہ کیسے ممکن ہے؟" بوٹان ہکلایا۔

"بالکل اسی طرح۔ جس طرح تم پر گیس کا اثر نہیں ہوا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"لیکن۔ ہم نے تو گہرے گہرے سانس لے لیے تھے، تم کیسے

لے سکتے تھے جب کہ تمھیں اس بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا؟"

"معلوم کیوں نہیں تھا — اچھی طرح معلوم تھا۔" انھوں نے جواب دیا —

"اگر معلوم تھا تو پہلی مرتبہ تم بے بس کس طرح ہو گئے تھے؟"

"اس وقت مجھے گیس کے توڑ کا بالکل علم نہیں تھا۔"

"اور اس بار کس طرح معلوم ہو گیا؟" اس کے لہجے میں اب بھی بلا کی حیرت تھی۔

"کچھ باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے میں جواب نہیں دے سکتا، یا دینا پسند نہیں کرتا۔" انھوں نے کہا۔

"ایسی کی تیسی میں جاؤ — میں تمھارے لیے بہت کافی ہوں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی بوٹاف نے ان پر چھلانگ لگا دی، لیکن وہ تو پہلے ہی ہوشیار تھے — فوری طور پر ایک طرف ہٹ گئے — بوٹاف جھونک میں دیوار سے ٹکرایا — مڑا تو چہرہ زخمی تھا — اور پہلے سے کہیں زیادہ خوفناک لگ رہا تھا — وہ اندھا دھند ان کی طرف دوڑ پڑا — انسپکٹر جمشید نے بھی بچنے کی کوشش نہیں کی — اُلٹا اس کی طرف دوڑ پڑے — نتیجہ یہ کہ دونوں پورے زور سے ایک دوسرے سے ٹکرائے اور دھڑام سے مخالف سمتوں میں گرے — دونوں بجلی کی رفتار سے اُٹھے، لیکن بوٹاف ان سے پہلے اُٹھ چکا تھا، چنانچہ حملہ کرنے میں بھی وہی کامیاب رہا — اس کا مُکّا ان کی ٹھوڑی

پر لگا۔ وہ چکرا گئے اور گرتے گرتے سنبھلے —

اس مرتبہ انھوں نے حملہ کیا — وہ فضا میں اُچھلے اور دونوں ٹانگیں اس کے سینے پر دے ماریں — اس نے ٹانگوں کی زد سے بچنے کی پوری کوشش کی، لیکن بچ نہ سکا — کمر کے بل گرا — ساتھ ہی انسپکٹر جمشید اس کے سینے پر آ گرے — اور گردن کو دونوں ہاتھوں میں دبوچ لیا — بوٹاف کی ٹانگیں حرکت میں آئیں اور اس کے دونوں پیر ان کے سر کے دونوں طرف جم گئے — اب وہ اپنے پیروں کے ذریعے انھیں اوپر اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا اور ادھر یہ اس کا گلا جلد از جلد گھونٹ دینے کی فکر میں تھے — دونوں کا پورا زور لگ رہا تھا — دیکھنے والے پلکیں جھپکنا بھول گئے تھے — اور پھر بوٹاف کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے — اس کے پیر ان کے سر پر سے کھسک کر نیچے گر گئے — آنکھیں باہر کو اُبل آئیں — یہاں تک کہ اس کی گردن ڈھلک گئی —

"لو بھئی — بوٹاف تو گیا۔"

"ابھی ہاتھ نہ ہٹانا جمشید — کہیں یہ مکر نہ کر رہا ہو۔"

"اب یہ بے چارہ مکر کرنے کے قابل نہیں رہا — اس کا جسم آخری جھرجھری لے چکا ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ اُٹھ کھڑے ہوئے، پھر بولے۔ "آپ سب لمبے لمبے سانس لینا شروع کر دیں — شاید گیس کا اثر کم ہو جائے۔"

انھوں نے یہی کیا۔ آخر آدھ گھنٹے بعد وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو سکے۔

"خان رحمان۔ تم محمود کو لے کر فوراً شہر جاؤ۔ آئی جی صاحبان اور پولیس کے اعلیٰ حکام کو یہاں لے آؤ۔ تاکہ ان کی بھی آنکھیں کھل سکیں۔ آخر ہم اپنے ساحلوں کی طرف سے کیوں اتنے لاپروا ہو گئے ہیں۔ اس عمارت میں جتنا بھی اسلحہ موجود ہے۔ سب کا سب سمندر کے ذریعے ملک میں لایا گیا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو جمشید۔ ہم جاتے ہیں۔"

"ایک منٹ انکل۔ پہلے ہم اپنی حیرت تو دور کر لیں۔" محمود جلدی سے بولا۔ اتنی دیر میں خان رحمان دروازہ کھول چکے تھے۔

"بھئی تم جاؤ۔ دیر نہ کرو۔ تمھارے حصے کی حیرت ہم خود دور کر لیں گے۔" فاروق مسکرایا۔ محمود نے اسے گھورا، پھر بولا:

"ابا جان۔ آخر آپ کو گیس سے محفوظ رہنے کی ترکیب کس طرح معلوم ہو گئی؟"

"بھئی کچھ خود بھی غور کر لیا کرو۔ یہ بات میں تم پر چھوڑتا ہوں۔"

"ایک یہی کیا ابا جان۔ آپ تو اکثر باتیں ہم پر چھوڑ دیتے ہیں۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"اگر یہ بات ہے تو پھر آیئے انکل۔ اس سلسلے میں غور تو میں

راستے میں بھی کر لوں گا۔"

اور وہ دونوں عمارت سے نکل گئے۔

"کیا خیال ہے۔ ابا جان۔ ہم اس پوری عمارت کا جائزہ لینا شروع کریں۔" فرزانہ نے بے چینی کے عالم میں کہا۔

"نہیں۔ تربیت لینے والے نہ جانے اندر کتنے لوگ ہوں گے، وہ ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس لیے ہم اس کمرے تک رہیں گے۔ ان مدد آنے کے بعد ضرور پوری عمارت کا جائزہ لیں گے۔"

"تو پھر مدد آنے تک ہم اس بات پر غور کر لیتے ہیں کہ آپ کو گیس سے بچنے کی ترکیب کس طرح معلوم ہو گئی تھی۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔" فرزانہ نے کہا اور سوچ میں گم ہو گئی، اچانک اس نے اچھل کر کہا:

"ارے یہ تو بالکل سامنے کی بات ہے۔"

"ہاں واقعی۔ کمال ہے۔" فاروق نے بھی پرجوش لہجے میں کہا۔

"تم دونوں کیا سمجھ گئے۔ مجھے تو یہاں سامنے تو کیا۔ دور دور تک کوئی بات نظر نہیں آ رہی۔" پروفیسر داؤد الجھن کے عالم میں بولے اور وہ مسکرا دیے۔ پھر محمود اور خان رحمان مدد لے کر آ گئے۔ وہ آئی جی صاحبان کے استقبال کے لیے کھڑے

ہو گئے۔

"بھئی میں جان چکا ہوں کہ آپا جان کو گیس کا راز کس طرح معلوم ہو گیا تھا۔" محمود نے فرزانہ کے کان میں کہا۔

"اور ہم بھی جان چکے ہیں۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"بھئی یہ تم کیا کھسر پھسر کرنے لگے۔ یہ آداب محفل کے خلاف ہے۔" انسپکٹر جمشید نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"اوہ۔ ہمیں افسوس ہے۔"

اب آفیسرز کو تمام تفصیلات سنائی گئیں۔ ان کی حیرت کا کیا پوچھنا، پھر مسلح پہرے میں پوری عمارت کا جائزہ لیا گیا۔ اس کے کئی کمروں سے قریب چالیس آدمی گرفتار کیے گئے۔ باقی عمارت صرف اسلحے سے بھری پڑی تھی اور یہ تمام کا تمام اسلحہ انشارجہ کا بنا ہوا تھا۔ تمام اسلحہ بالکل جدید تھا۔ پرانی طرز کا ایک ہتھیار بھی نہیں تھا۔

"اُف خدا۔ جمشید۔ اگر تم اس طرف نہ نکل آتے تو یہ گھناؤنی سازش ہمیں کہاں لے جاتی۔" آئی جی بولے۔

"ہمیں اس طرف لانے کا سہرا پروفیسر داؤد کے سر ہے جناب۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا مطلب۔ وہ کیسے؟" انھوں نے چونک کر پوچھا۔

انسپکٹر جمشید کو یہ تفصیل بھی سنانا پڑی۔ ان کے چہروں پر

مسکراہٹیں دوڑ گئیں۔ فوری طور پر ملٹری کے دستوں کے لیے فون کیا گیا۔ تاکہ عمارت کو پوری طرح قبضے میں لے لیا جائے۔ آخر خدا خدا کر کے وہ فارغ ہوئے:

"عمارت اور اسلحہ کی صورت میں اگرچہ ملک کے لیے ایک بڑی دولت ہاتھ آئی ہے، لیکن ان سب سے زیادہ اہم چیز وہ کاغذات ہیں جو رولف ہان کے کمرے سے میرے ہاتھ لگے تھے۔"

"کیوں۔ ان میں ایسی کیا خاص بات ہے؟"

"ان میں کچھ عام رازوں کے علاوہ چند جنگی منصوبوں کا ذکر ہے۔ اور ان منصوبوں میں ہمارا ملک بھی شامل ہے۔ ہو سکتا ہے، اب ان منصوبوں پر عمل نہ کیا جائے۔ اس طرح بھی وہ کاغذات ہمارے لیے مفید ہی ثابت ہوں گے۔ اور اگر عمل کیا گیا تو ہم آسانی سے ان منصوبوں کو ناکام بنا دیں گے۔"

"ویری گڈ جمشید۔ تب تو یہ کاغذات فوری طور پر صدر مملکت تک پہنچا دینے چاہئیں۔"

"ضرور، کیوں نہیں۔ میں یہ آپ کے حوالے کر رہا ہوں۔ ان کو آپ خود بھجوا دیں۔" وہ بولے۔

"یہ ٹھیک رہے گا۔ ویسے اگر تم خود لے جانا چاہو، تو بھی مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

"نہیں سر۔ آپ کے ذریعے ہی مناسب رہے گا۔" انھوں نے کہا۔

"تو پھر چلو۔ اب یہاں ہمارا کوئی کام نہیں رہ گیا۔"

"آپ لوگ جائیں۔ ہم ابھی کس طرح جا سکیں گے۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں۔ یہ کیا بات ہوئی۔" وہ حیران ہو کر بولے۔

"ابھی تو ہمیں اس جنگل میں اصل کام شروع کرنا ہے، یعنی شکار کھیلنا ہے۔ تاکہ انکل منور علی خان کی یاد تازہ ہو سکے۔" فاروق بولا۔

"لیکن بھئی۔ تم اس جنگل میں شکار کس طرح کھیل سکتے ہو، یہاں تو بوٹاف نے کوئی مرغابی اور ہرن رہنے ہی نہیں دیا۔" وہ بولے۔

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے، لیکن اس کے باوجود ہم شکار ضرور کھیلیں گے؟"

"لیکن کس چیز کا؟" ڈی آئی جی صاحب کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"خیالی مرغابیوں اور خیالی ہرنوں کا۔" فاروق نے کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی؟" آئی جی مسکرائے۔

"انکل۔ غرض تو شکار کھیلنے سے ہے۔ مرغابی یا ہرن مارنے سے نہیں، چنانچہ شکار تو خیالی مرغابیوں کا بھی کھیلا جا سکتا ہے مثلاً۔ محمود چلا کر کہے گا۔ ارے۔ وہ رہا ہرن۔ اور میں اس کی

آواز سنتے ہی ایک فائر کر دوں گا، پھر ہم وہ مارا کہہ کر اس خیالی ہرن کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ اسی طرح کتنی ہی مرغابیاں بھی شکار کر لیں گے۔ اور واپسی تک ہمارے تھیلے خیالی مرغابیوں اور ہرنوں کے گوشت سے لبریز ہو چکے ہوں گے۔ بلکہ ان تھیلوں میں تل دھرنے کی جگہ بھی نہیں بچی ہو گی۔"

"اُف توبہ۔ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ فاروق کی زبان۔" انسپکٹر جمشید نے جھلا کر کہا۔

"اوہ معاف کیجیے گا۔ شاید میں شکار کی رو میں بہہ گیا تھا۔ ہاں تو۔ رہ گئی امی جان۔ انھوں نے ایک عدد مرغابی کی فرمائش کی تھی۔ سو وہ ہم شہر سے خرید کر ذبح کر لیں گے اور گھر لے جائیں گے۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہو گی۔ بہت سے شکاری اسی طرح بھی شکار کھیلتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے۔ آپ لوگ روانہ ہو جائیے۔ فاروق تو اب رکے گا نہیں۔"

"نہیں بھئی۔ اس کی باتیں بہت مزا دے رہی ہیں۔" آئی جی بولے۔

"جی کیا فرمایا۔ مزا دے رہی ہیں۔" انسپکٹر جمشید چونک اٹھے۔

"ہاں۔ بالکل۔ ارے فاروق تم رک کیوں گئے؟"

"یہی تو مصیبت ہے جناب۔" اس نے بے چارگی کے عالم

میں کہا ــــ

"کیا مصیبت ہے؟"

"جب میری باتوں میں سننے والوں کو لطف آنے لگتا ہے تو باتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ بس ان باتوں میں یہی بات بری ہے کہ بات بے بات ختم ہو جاتی ہیں۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

اور دوسروں کا تو ذکر ہی کیا ، آئی جی اور ڈی آئی جی صاحبان بھی کھی کھی میں شامل ہوئے بغیر نہ رہ سکے ــــ

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ، انسپکٹر جمشید سیریز

ناول نمبر 647

ناتاب

مصنف: اشتیاق احمد

☆ فرقان بھائی کے دروازے کی گھنٹی بجی.... دروازے پر ایک اجنبی موجود تھا۔

☆ اجنبی کے ہاتھ میں پچاس ہزار روپے تھے۔

☆ اس نے کہا.... یہ پچاس ہزار روپے لے لیں اگر آپ نے نہ لیے تو میری لاش شہر میں کسی جگہ سے ملے گی۔

☆ فرقان بھائی نے روپے نہ لیے.... دوسرے دن اس اجنبی کی لاش ملی۔

☆ ایک شخص.... ایک ہنگامہ.... ایک طوفان۔

☆ دوسرا اجنبی آیا تو فرقان بھائی دھک سے رہ گیا۔

☆ پھر کیا ہوا.... کیا دوسرے اجنبی کی بھی لاش ملی؟

☆ ایک پراسرار مجرم.... انوکھے انداز میں آپ کے سامنے آ رہا ہے۔

☆ اس مجرم کا پہلا وار کس قدر خوفناک تھا.... آپ سوچ بھی نہیں سکتے اور پورے ناول میں غلط فہمی کا شکار رہیں گے۔

☆ میرے خبردار کر دینے کے باوجود آپ غلط فہمی کا شکار رہیں گے.... جی ہاں "اس بات کو لکھ لیں"۔

☆ جاسوسی ناولوں میں ایک اور زبردست اضافہ.... ہر لمحے آپ سسپنس کے شکنجے میں کستے چلے جائیں گے۔

☆ اور اس شکنجے سے آپ آخر تک نہیں نکل سکیں گے۔

☆ انسپکٹر جمشید کو آپ اس بار ایک عجیب حال میں پائیں گے.... آپ سوچ بھی نہیں سکتے.... اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔

☆ اور یہ ناول آپ کو بہت خوبصورتی سے نچوڑ دے جائے گا.... آپ کو خود پر ہنسی آئے گی۔

☆ مجرم کو بہت شوق تھا.... لوگوں کو غلام بنانے کا۔

☆ آخر.... کیسے انہیں غلام بنا لیتا تھا.... یہاں تک کہ غلام اس کے ایک اشارے پر جان دے دیتے تھے۔

☆ ایک حیرت انگیز مجرم۔

☆ محمود، فاروق اور فرزانہ کے سامنے اس نے ایک آدمی کو حکم دیا.... کہ وہ خود کو ختم کر دے.... اس نے کہا ایک لمحہ ضائع کیے بغیر خود کو ختم کر لیا۔

☆ محمود، فاروق اور فرزانہ کو نئے روپ میں دیکھئے.... ایک ایسے روپ میں، جس کے بارے میں پہلے سے بتا دینا ظلم ہو گا.... سسپنس کا خون ہو جائے گا اس طرح۔

☆ لہٰذا انتظار فرمائیں.... ناول پڑھنے کے دوران آپ کو اندازہ ہو جائے گا۔

☆ اور رہی سہی کسر ناول کے آخر میں پوری ہو جائے گی۔ کیونکہ آپ کے اندازے کی غلطی بھی تو اس وقت کھلے گی۔

☆ اس وقت جب کہ یہ جھلکیاں لکھ رہا ہوں.... میں آپ پر مسکرا رہا ہوں.... ناول پڑھنے کے بعد آپ خود پر مسکرائیں گے۔

☆ اس بات کا بھی پورا امکان ہے کہ میرے تمام اندازے بالکل غلط ثابت ہوں.... بلکہ دھرے کے دھرے رہ جائیں۔

☆ آج ہی اپنی کاپی بک کرا لیں.... ورنہ؟

20 اکتوبر کو پڑھئے۔ قیمت صرف 60 روپے

انداز بک ڈپو 3۔ عابد مارکیٹ نزد اسے شاہ روڈ ساندہ کلاں۔ لاہور

یہ کتب
سٹاک میں موجود ہیں

☆ ایک خط لکھ کر آپ جو کتابیں چاہیں، رعایتی قیمت پر ادارے سے براہ راست منگوا سکتے ہیں۔
☆ کتابیں بذریعہ وی پی ارسال کی جاتی ہیں۔
☆ ڈاک خرچ ادارہ ادا کرے گا۔
☆ سٹاک میں موجود کتب کی فہرست ہر ماہ شائع کی جاتی ہے۔

نام ناول	قیمت	نام ناول	قیمت
بلیک ہول خاص نمبر	120روپے	قاتل کاریں	60روپے
جیرال خاص نمبر	〃60	سازش کا دماغ	〃30
فرگین فور	〃60	چال کا جواب	〃30
جال کا جال خاص نمبر	〃60	سازش کا شہزادہ	〃30
کھائی کا بھوت	60روپے	سانپ کی آستین	〃30
تصویر کی موت	〃60	سازش کا قیدی	〃30
پرخوف قلعہ	〃36	ہم کمرہ	〃30
کیمرے کا قاتل	〃30	بیگ وال	〃30
سازش کی موت	〃18	دھماکے کا مجرم	〃30

نام ناول	قیمت	نام ناول	قیمت
دنیا کے قیدی خاص نمبر	〃45	رولن تھن	〃120
آخری تیر	〃30	ہیڈ کوارٹر کی تلاش	〃30
ڈرامائے سم II خاص نمبر	〃36	طوفانی واپسی	〃30
ڈرامائے سم III خاص نمبر	〃36	ناسور کی موت	〃30
باطل قیامت II خاص نمبر	〃36	سرخ تیری وادی	〃80
باطل قیامت III	〃36	زندہ مقتول	〃30
جن + شیطان	〃60	مدکوش خطرناک	〃75
کوئی چیخ	〃60	ناکامی کا تحفہ	〃30
حیرت کا سمندر	〃100	چکر کی تہ	〃60
سرلاس	120روپے	مٹھی بھر ہیرے	〃30
ولڈل میں لاش	30روپے	پیاس کا خوف	〃30
مقتول کون	30روپے	سات بچیں	〃30
جی موف کی واپسی	30روپے	اندھا ڈاکو	〃60
موت کا علاج	〃30	روحوں کی واپسی	〃30

خاص رعایت

تین سو روپے کا آرڈر ارسال کریں۔ 33% رعایت حاصل کریں۔ (نوٹ) کم از کم ایک سو روپے کے آرڈر کی تکمیل ہوگی۔

آرڈر دینے کے لئے پتہ نوٹ فرمالیں:۔

انداز بک ڈپو .....3۔ علیہ مارکیٹ' بجوائے شادی روڈ' سانده کلاں لاہور

ISHTIAQ AHMED

ISHTIAQ AHMED

ANDAZ PUBLICATIONS